ماہنامہ
دخترانِ اسلام
لاہور
ستمبر 2022ء

قربِ الٰہی کے دو تقاضے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

بعد از کربلا سفرِ شام

قائدِ اعظمؒ کو اسلامی تعلیمات سے گہرا لگاؤ تھا

اقوام کی بقا امنِ عالم میں مضمر ہے

صحت اور فرصت کی نعمتوں کی قدر کریں

تعلیم، تربیت اور اخلاق

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیراہتمام ’’عرفان الہدایہ کیمپ 2022ء‘‘

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 29 شمارہ: 8 / صفر ۱۴۴۴ھ / ستمبر 2022ء

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

ایڈیٹر
اُم حبیبہ اسماعیل

ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار

مجلس مشاورت

نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ، ڈاکٹر نبیلہ اسحاق
ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز، مسز حلیمہ سعدیہ
مسز راضیہ نوید، سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی

رائٹرز فورم

آسیہ سیف، سعدیہ کریم، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام —— فوٹوگرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرس

اداریہ

(وقت کی اہمیت اور ٹائم مینجمنٹ) 4

فکرِ شیخ الاسلام

قرب الٰہی کے دو تقاضے — مرتبہ: نازیہ عبدالستار 5

بعد از کربلا سفرِ شام — سماوہ سلطان 10

بانیٔ پاکستان کی شخصیت و کردار کے اہم گوشے — ڈاکٹر انیلہ مبشر 16

تعلیم، تربیت اور اخلاق — سمیہ اسلام 19

اقوام کی بقا امنِ عالم میں مضمر ہے — ڈاکٹر شفاقت علی بغدادی 22

قائداعظمؒ کو اسلامی تعلیمات سے گہرا لگاؤ تھا — آمنہ خالد 28

امن کی ضرورت و اہمیت — سعدیہ کریم 35

صحت اور فرصت کی نعمتوں کی قدر کریں — مرتبہ: عائشہ بتول 39

خواتین پر بیماریوں کے اثرات — مریم اقبال 42

گلدستہ: دین کا نقصان سب سے بڑا نقصان — مرتبہ: حافظہ سحر عنبرین 45

عالمی اعزاز نعت گوئی 47

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید، امریکہ: 15 ڈالر مشرق وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر

ترسیل زر کا پتہ: منی آرڈر / چیک / ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت فی شمارہ -/60 روپے

سالانہ خریداری -/700 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا. وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا. وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـئًا مَّرِيْٓـئًا. (النساء، ۴: ۱ تا ۴)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور بُری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔ اور عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مَہر) میں سے کچھ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لیے) سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔“

فرمان نبوی ﷺ

عَنْ سَفِينَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: رَكِبْتُ الْبَحْرَ فِي سَفِينَةٍ فَانْكَسَرَتْ فَرَكِبْتُ لَوْحًا مِنْهَا فَطَرَحَنِي فِي أَجَمَةٍ فِيهَا أَسَدٌ فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا بِهِ فَقُلْتُ: يَا أَبَا الْحَارِثِ أَنَا مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَطَأْطَأَ رَأْسَهُ وَغَمَزَ بِمَنْكِبِهِ شِقِّي فَمَا زَالَ يَغْمِزُنِي وَيَهْدِيْنِي إِلَى الطَّرِيْقِ حَتَّى وَضَعَنِي عَلَى الطَّرِيْقِ فَلَمَّا وَضَعَنِي هَمْهَمَ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُوَدِّعُنِي. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالْبُخَارِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَالطَّبَرَانِيُّ وَالْبَغَوِيُّ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ. وَقَالَ الْحَاكِمُ: هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ.

”حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی ٹوٹ گئی تو میں اس کے ایک تختے پر سوار ہوگیا اس نے مجھے ایک ایسی جگہ پھینک دیا جو شیر کی کچھار تھی۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا کہ (اچانک) وہ شیر سامنے تھا۔ میں نے کہا: اے ابو الحارث (شیر)! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں تو اس نے فوراً اپنا سر خم کردیا اور اپنے کندھے سے مجھے اشارہ کیا اور وہ اس وقت تک مجھے اشارہ اور رہنمائی کرتا رہا جب تک کہ اس نے مجھے صحیح راہ پر نہ ڈال دیا پھر جب اس نے مجھے صحیح راہ پر ڈال دیا تو وہ دھیمی آواز میں غرغرایا۔ سو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے الوداع کہہ رہا ہے۔“

(المنہاج السوّی، ص۷۰۷)

خواب

مشکلیں امت مرحوم کی آساں کردے
مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماںؑ کردے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کردے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کردے
(کلیاتِ اقبال، بانگ درا، ص:۲۹۸)

تعبیر

کانگریسی اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہیں، تم کہیں ان کی چالوں میں نہ آجانا، مسلمانوں کے لیے یہ موت اور زندگی کا لمحہ ہے اور اگر مسلمانوں میں اتحاد نہ ہوا تو وہ کسی قیمت پر بھی تباہی سے نہیں بچ سکیں گے۔
(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، 5 فروری 1938ء)

تکمیل

امام حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! جب کسی کی صحبت اور سنگت کو اختیار کرو تو پہلے یہ فیصلہ کرو کہ یہ سنگت اور صحبت قیامت کے دن بھی کام آئے گی یا نہیں؟ اگر وہ سنگت وصحب قیامت میں کام آنے والی ہو تو اسے اختیار کرو، ورنہ چھوڑ دو۔ اس لیے کہ جس دوستی نے قیامت کے دن کام نہیں آنا وہ دوستی یہاں بھی بے کار ہے۔ ایسی مجلس میں بیٹھیں جہاں دل کی زندگی کا خیال رکھا جائے جہاں دین کی فکر ہو آخرت کی فکر ہو، اصلاح کی بات ہو، نیکی اور بھلائی کی بات ہو، اللہ کا ذکر ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور دین کی بات ہو۔ اگر مجالس کے ایسے موضوعات ہوں تو دل زندہ ہوگا۔ دل کو زندہ اور مردہ کرنے کا پہلا علاج صحبت ہے، ایسی صحبت اختیار کریں جس میں برائی کی بات ہو جو شخص دوسروں کی برائیاں دیکھتا ہے وہ مرتے دم تک اپنی برائیاں نہیں دیکھ سکے گا۔
(خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری: بعنوان قلب سلیم کی علامات اور اثرات صحبت، مجلّہ اگست 2018ء)

اداریہ

وقت کی اہمیت اور ٹائم مینجمنٹ

وقت ایک ایسا نایاب خزانہ ہے جس کی حفاظت اگر نہ کی جائے تو انسان حقیقتاً خسارہ سے دوچار ہوتا ہے۔عقلمند اور ذہین وہی ہیں جو دستیاب وقت کا بہترین اور بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ وقت ایک ایسی دولت ہے ایک بار خرچ ہو جائے تو پھر پلٹ کر نہیں آتی۔ وقت کی اہمیت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جن اشیا کی قسم کھائی ہے ان میں وقت بھی ہے۔ آج کل ہر شخص وقت کی قلت کا گلہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر کسی بھی شخص کے وقت کے استعمال پر دھیان دیا جائے تو بہت کم افراد ایسے ہوں گے جو اپنے وقت کے ہر لمحے کو مفید بنانے کے لئے فکر مند نظر آئیں؟۔جن قوموں نے وقت کی قدر کی وہ آج ممتاز و باوقار ہیں اور وقت ضائع کرنے والی قومیں بظاہر آزاد نظر آنے کے باوجود محکومی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ قدرتی اعتبار سے خواتین میں وقت کی پابندی اور ٹائم مینجمنٹ مردوں کی نسبت بہتر ہے۔ خواتین اپنے 24 گھنٹوں کے اوقات کار میں بچوں کی تربیت بھی کرتی ہیں۔ امور خانہ داری بھی انجام دیتی ہیں اور گھر کو خاندان کے ایک یونٹ کے طور پر منظّم و مربوط بنانے کے لئے اپنا بیشتر وقت ایک نظم کے ساتھ صرف کر رہی ہوتی ہیں۔خواتین اپنے اوقات کار میں سماجی تعلقات کو برقرار رکھنے کے لئے بھی کردار ادا کرتی ہیں ۔سماجی تعلقات سے مراد عزیز و اقارب سے روابط اور ہمسایوں سے بہترین تعلقات استوار کرنا ہے جو ایک نارمل زندگی کا ناگزیر تقاضا ہے۔ ہر شخص کے پاس 24 گھنٹے کی تقسیم کار ہے۔ ان 24 گھنٹوں میں نیند، کام اور دیگر امور انجام دیئے جاتے ہیں۔ جو لوگ انفرادی حیثیت میں ان 24 گھنٹوں کی بہترین تقسیم کو یقینی بنا لیتے ہیں وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ ایک بہتر مقام کی طرف بڑھتے نظر آتے ہیں۔ ایک حدیث نبوی ﷺ جس کا مفہوم ہے کہ مومن کا آنے والا کل اس کے گزرے ہوئے کل سے بہتر ہوتا ہے۔ اس حدیث نبوی ﷺ میں بے پناہ حکمت کارفرما ہے یعنی اگر جس کا آنے والا کل گزرے ہوئے کل سے بہتر نہیں ہے تو وہ مومن کے اوصاف اور خصائص پر پورا نہیں اترتا اور خسارے میں ہے۔ یہاں ٹائم مینجمنٹ کی بات کی گئی ہے یعنی عبادت، رزق حلال، آرام اور خانگی امور کو وقت دینا ایک ناگزیر تقاضا ہے۔ اسلام وہ واحد الہامی دین ہے جس نے ٹائم مینجمنٹ کے اوپر بہت زیادہ فوکس کیا ہے۔’’لا اکرہ فی الدین‘‘ یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے ۔ ہر مسلمان کو اعتدال کے ساتھ عبادات کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی یقینی بناتا ہے تو اُس کے اوپر کوئی مزید عبادت کا بوجھ نہیں ڈالا گیا یہاں اُس کی اہلیت اور طبیعت کو پیش نظر رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام نے عبادت کے ساتھ ساتھ سماجی تعلقات، حقوق و فرائض اور رزق حلال کو اہمیت دی ہے۔ ہر شخص کو اپنے روز مرہ کے اوقات کار کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ کن امور پر کتنا وقت صرف کرتا ہے اور وہ وقت انہی کاموں کے لئے ناگزیر کیوں ہے؟ ٹائم مینجمنٹ کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ ضروری امور کی انجام دہی کو سرفہرست رکھا جائے اور ایسے امور و معاملات کو ترک کر دیا جائے جو وقت کے ضیاع کے زمرے میں آتے ہیں۔ آج کل وقت کی قلت کا رونا رونے کے باوجود گھنٹوں سوشل میڈیا کی مختلف سائٹس پر صرف ہو رہے ہیں اور اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ ضروری امور بھی موجود ہیں۔ ٹائم مینجمنٹ کئے بغیر صرف کی جانے والی زندگی ڈپریشن سے بھر جاتی ہے۔ جب ہم ضروری اور غیر ضروری کاموں میں تفریق نہیں کرتے تو اُس کا نتیجہ ڈپریشن کی صورت میں برآمد ہوتا ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اہم اور غیر اہم میں تقسیم کرے اور ضروری کاموں کو التواء میں ڈالنے سے گریز کرے۔(ایڈیٹر: دختران اسلام)

فکرِ شیخ الاسلام

قربِ الٰہی کے دو تقاضے

نفسِ مطمئنہ پالینے والوں کے لئے اللہ کی دو عظیم نعمتیں

ولایت کے بلند درجے فقط تسبیحات پڑھنے سے نہیں ملتے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا فکر انگیز خطاب

مرتبہ: نازیہ عبدالستار

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیبٌ (سورۃ البقرہ، ۲:۱۸۶)

اے محبوب! جب تم سے میرے بندے پوچھیں میری نسبت کہ میں کہاں ہوں تو انہیں فرما دیا کر کہ میں تو بہت قریب ہوں۔ لہذا ضابطہ قرب الٰہی دو شرطوں پر مشتمل ہے۔

پہلی شرط (میرا قرب چاہتے ہو تو میرے محبوب سے پوچھو):

میرا قرب چاہتے ہو تو میرے محبوب سے پوچھو یہ پہلی شرط بیان فرمائی۔ محبوب تم سے پوچھیں ان بندوں کو یہ راز بتا دیں کہ میرا پوچھنا ہو تو کہاں جائیں میرے محبوب تیری بارگاہ میں آئیں اور تم سے پوچھیں۔ در بدر کی ٹھوکریں نہ کھائیں اور یہ بھی نہ سمجھیں کہ براہ راست اللہ سے اللہ کو جان لیں گے۔ نہ ایسی غلطی نہ کرنا۔

میرے محبوب تیری بارگاہ میں سائل بن کے آئیں اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی کون؟ میرے محبوب تم سے پوچھیں اس شرط کو مقدم بیان کیا عِبَادِی یہ میرے بندے ہیں یہ بعد میں فرمایا تاکہ بندوں کو تیری پہچان ہو جائے کہ میں اپنا بندہ انہیں کو بناتا ہوں جو تیرا سائل بنتا ہے۔ محبوب! اپنے بندوں کے زمرے میں انہیں کو شریک کرتا ہوں جو تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ بھی تو فرما سکتا تھا کہ میرے بندے جب تم سے سوال کریں۔

اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی فرما سکتا تھا فان عبادی اذا سالک بے شک میرے بندے جب تم سے سوال کریں میں کہاں ہوں؟ تو بتا دو انی قریب میں قریب ہوں۔ مگر نہیں فرمایا یہ میری پہچان کیسے ہوگی؟ بندے میرے بندے بنیں گے کیسے؟ کچھ اس کا بھی تو سلیقہ ہونا، فرمایا کہ جو میرے بندے بنا چاہتے ہیں محبوب وہ تیری بارگاہ میں سائل بنے۔ جو میرے بندے بنا چاہتے ہیں وہ تیری بارگاہ کے سائل بنیں۔ سالک پہلے تجھ سے سوال کریں تو میرے بندے بن جائیں گے۔ محبوب جو تیری بارگاہ میں سوالی بنیں وہی میرے بندے کہلائیں گے۔

دوسرا تقاضہ/ دوسری شرط (ایک ہی سوال کریں کہ اللہ کہاں ہے؟):

اور دوسری شرط کیا؟ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی اور انہیں پھر کسی چیز کی تلاش نہ ہو۔ تلاش ہو تو فقط میری، رزق کی تلاش میں مارے مارے نہ پھریں۔ مال و دولت کی تلاش میں نہ آئیں صحت و تندرستی، سلامتیوں کی تلاش میں مارے مارے نہ پھریں۔ عزت کہاں سے ملے گی یہ سوال نہ کریں۔ مال کہاں سے ملے گا یہ سوال نہ کریں۔ بیمار ہوں تندرستی کہاں سے ملے گی یہ سوال نہ کریں۔ شہرت کہاں سے ملے گی یہ سوال نہ کریں۔ پیسہ کہاں ہیں یہ سوال نہ کریں۔ یہ سارے سوال بھول جائیں۔ اگر میرا بندہ بننے کا شوق ہے تو ایک ہی سوال کریں کہ اللہ کہاں ہے؟

ڈھونڈاں جنگل بیلا روہی
صد صد تینوں کملی ہوئی

جنگل میں جائیں تو میرا پوچھیں مولا کہاں ہے؟ پہاڑوں میں جائیں تو میرا پوچھیں ۔صحراؤں میں جائیں تو میرا پوچھیں۔ آبادیوں میں ہوں تو مجھے تلاش کریں۔ بیانوں میں ہوں تو مجھے تلاش کریں ۔دن ہو تو پھر بھی میرے متلاشی ہوں۔ رات کے سائے چھا جائیں پھر بھی میری تلاش کریں۔ جاگیں تو پھر بھی میری تلاش میں، سوئیں تو پھر بھی میری تلاش میں۔

الّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ (آل عمران،۳: ۱۱۹)

یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

کھڑے ہوں تب بھی میری بات کریں۔ بیٹھے ہوں تب بھی میری یاد کریں۔ لیٹے ہو تب بھی میری تلاش کریں۔ بس ایک ہی تلاش ان کے دامن گیر ہو جائے۔

یہ دو شرطیں ہیں۔ فانی قریب بس ایسے بن جاؤ تو مجھے قریب پا لو گے۔ حضرت علامہ اقبالؒ کا شعر ہے۔

؎ اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

پھر مجھے باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میں

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيد (ق:۱۶)

ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

دو شرطیں پوری کر لے۔ میرے محبوب کا سوالی بن جائے۔ نسبت حضور سے قائم کرے۔ مقصود قرب الٰہی ہے ۔ اس قرب الٰہی کی منزل تک پہنچنے کے دو راستے بتائے اور دونوں راستوں میں ان کی دو شرطیں بتائیں۔ ایک صلہ پہلی شرط کے ساتھ کر دیا اور دوسرا صلہ دوسری شرط کے ساتھ کر دیا۔ فرمایا اذا سالک محبوب جب تم سے پوچھیں سوالی بن کے تیری بارگاہ میں آئیں اتنا مرحلہ طے کر لو تو تمہیں اپنا بندہ بنا لوں گا۔ اتنا کچھ تم کر لو تو عبادی بن جاؤ گے۔

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي. وَادْخُلِي جَنّتِي (الفجر:۳۰)

پس تو میرے (کامل) بندوں میں شامل ہو جا۔
اور میری جنت (قربت و دیدار) میں داخل ہو جا۔

بندے تو سارے ہوتے ہیں پر اس کا بندہ کوئی کوئی ہوتا ہے۔

يَا أَيّتُهَا النّفْسُ الْمُطْمَئِنّةُ. ارْجِعِي إِلَى رَبّكِ رَاضِيَةً مّرْضِيّةً. فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (الفجر: ۲۷ تا ۲۹)

اے اطمینان پا جانے والے نفس! تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب)۔ پس تو میرے (کامل) بندوں میں شامل ہو جا۔

جب سارے مرحلے طے ہو جائیں پھر حکم ہوتا ہے میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ بندہ نفس امارہ میں سے بھی گزر گیا، نفس لوامہ سے بھی گزر گیا، نفس ملہمہ سے بھی گزر گیا، نفس مطمئنہ سے بھی گزر گیا، یہ سارے مرحلے گزار کر پھر نفس راضیہ سے بھی گزر گیا ۔نفس مرضیہ سے بھی گزر گیا۔ جب راضیہ اور مرضیہ کے مقام پر پہنچا تو اس وقت اسے ندا ملی۔ اب آواز آئی فَادْخُلِي فِي عِبَادِي اب میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے جب اس کا نفس امارا تھا۔ اسے برائی کی طرف لے جانے والا تھا تو کیا وہ تب اللہ کا بندہ نہیں تھا؟ کسی اور کا بندہ تھا۔ بندہ تو اس وقت بھی اللہ کا ہی تھا۔

إِن كُلُّ مَن فِي السّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلاّ آتِي الرّحْمَنِ عَبْدًا (المریم:۹۳)

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی (آباد) ہیں (خواہ فرشتے ہیں یا جن و انس) وہ اللہ کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں۔

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ اللہ کا بندہ ہے ۔اللہ قسم کھاتا ہے صاحب نفس لوامہ کی تو اللہ کا بندہ ہی ہے، درجہ اونچا ہو گیا۔ تو نفس ملحمہ کے درجے پر پہنچا۔ اس سے اونچا ہو گیا۔ نفس مطمئنہ کے درجے پر پہنچا۔ اللہ پاک نے اسے مخاطب کیا ۔فرمایا:

يَا أَيّتُهَا النّفْسُ الْمُطْمَئِنّةُ

یہ کم شرف ہے کہ خدا خود خطاب کرے ،خدا اپنے

بندے کو خطاب کے لائق بنا دے اور خود پکار کے کہے اے میرے نفس مطمئنہ! والے بندے۔

ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ

آ جا میری طرف کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نفس مطمئنہ پا لیتے ہیں۔ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا شرف ہے؟ کہا اور تو کچھ نہیں بس تیس سال سے اس کا اتنا کرم ہے کہ رات کو اٹھتا ہوں تو وہ بات کرتا ہے۔

جو نفس مطمئنہ پا لیتے ہیں۔ ان کو اللہ پاک دو شرفوں سے نوازتا ہے۔ ایک اللہ ان کو اپنا مخاطب بنا لیتا ہے۔ ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور دوسرا شرف خالی ہم کلام ہی نہیں ہوتا بلکہ خود انہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ اور کہتا ہے الی ربک اپنے رب کی طرف یعنی اس نسبت کے ساتھ بلاتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ آ جا اپنے رب کی طرف۔ ایک ہے کہ بندہ آرزو کرے کہ مولا میں تیری طرف آنا چاہتا ہوں۔

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۶۹)

ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سَیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں۔

فرمایا ہم راستے کھول دیتے ہیں آ جا۔

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ (الشوریٰ:۱۳)

اور اپنی طرف (آنے کی) راہ دکھا دیتا ہے (ہر) اس شخص کو جو (اللہ کی طرف) قلبی رجوع کرتا ہے۔

تو کوشش کرتا ہے تو یہ راستہ ہے بے شک آ جا۔ کچھ تو وہ خوش نصیب ہیں جنہیں وہ خود کہتا ہے:

ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ

یہ نہیں فرمایا کہ آ جا بلکہ فرمایا تو لوٹ آ۔ تو تھا ہی ادھر ہی کا۔ تو ادھر پلٹ آ۔ اپنے اصل وطن میں آ جا تو بچھڑا ہوا ہے۔ اس میں ہجر کی کیفیت کا بھی بیان ہے۔ اس میں ہجر اور وصال کی بات ہے۔ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ تیرا رب تیرا منتظر ہے۔ اگر تو ہجر اور فراق میں تڑپ رہا ہے تو ہم بھی انتظار میں ہیں۔

ارْجِعِي لوٹ آ۔ تیرا وطن یہی ہے ادھر ہی لوٹ آ۔ کچھ عرصے کے لیے بھیجا تھا اور تم نے اپنا وطن سمجھ لیا ہے۔ لوگ مغالطے میں پڑ گئے تو اس مغالطے سے نکل آیا ہے۔ امارا سے نکل آیا، لوامہ، ملہمہ سے اٹھ کر اب تو اس مغالطے سے نکلا ہے تو تمہیں اطمینان ملا ہے۔ جب تک تو نے اس دنیا کو گھر سمجھ رکھا تھا اطمینان نہیں مل سکتا تھا۔ اطمینان قلب کو اور نفس کو اسی وقت ملتا ہے جب بندہ اپنا وطن اس دنیا کو نہ سمجھے جب رجوع ادھر کر لے پھر اسے اطمینان ملتا ہے اور جب تک رجوع اس وطن کی طرف طبیعت کا نہیں ہوتا وہ کچھ کرتا رہے، وہ پریشان رہتا ہے۔ صبح شام لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ بس بہت کچھ کرتے ہیں مگر اطمینان نہیں ملتا۔

اطمینان کا راز:

پیسے کی بھی کمی نہیں مگر اطمینان نہیں۔ عزت بھی اللہ نے بڑی دے رکھی ہے۔ مگر کوئی سکون اور اطمینان نہیں ہے۔ اولاد بھی نیک ہے، نافرمان بھی نہیں پر اطمینان نہیں۔ اللہ نے گھر بھی دے رکھا ہے۔ گاڑی، کاروبار، بزنس، رزق ہے، اللہ نے کسی چیز کی کمی نہیں دی مگر اطمینان نہیں ہے۔ پریشانی کھائے جا رہی ہے ہر شے پا کر بھی اطمینان نہیں پا رہا۔ نادان انسان کو اطمینان کیسے ملے۔ روح کا تو یہ وطن ہی نہیں، تو جب تک روح قید میں ہے تو اسے اطمینان کیسے ملے؟

اگر یہاں رہ کے دل کا تعلق اس اللہ سے جوڑ لے۔ تو گلیوں میں چلے آنکھیں آبادیوں میں بھی اسے تلاش کریں۔ ویرانوں میں بھی اسے تلاش کریں۔ تیری آنکھوں میں اسی کی تلاش ہو۔ روح کا رجحان ادھر ہو۔ نفس ادھر مائل ہو، طبیعت ادھر جھکی رہے۔ ہر وقت طبیعت کا رجوع اس طرف رہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوجائے تو اس وطن کی کھینچ پیدا ہوجائے۔ شخص کو اطمینان مل جاتا ہے تو وہ طرح طرح سے نوازا جاتا ہے۔ بندہ آرام سے لیٹا ہوتا ہے اور اللہ اس سے خطاب فرماتا ہے کہ اے میرے بندے ذرا بات تو کر۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ

پہلے بندہ کہتا تھا یا اللہ یا اللہ یا اللہ۔ اب وہ کہہ رہا ہے اے عبدی، عبدی، عبدی۔ میرے بندے اٹھ تو۔ پہلے بندہ جاگتا رہتا تھا اور فکر میں تھا کہ چلو دھیان ہوجائے اب وہ سو

رہا ہے اور وہ جاگنے والا کہہ رہا ہے۔ عبدی، عبدی۔ بندے اٹھ ذرا، تنہائی کا وقت ہے تو دو باتیں کر لیں۔ ذرا تنہائی کا وقت ہے اٹھ ذرا ہائے ہائے دو باتیں کر لیں۔ لوگ آرام کر رہے ہیں۔ میری دہلیز پر جبین جھکالے میرے لئے دو آنسو بہالے۔

ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ

اے اطمینان پانے والے آ جا۔ پلٹ آ اپنے رب کی طرف۔ دو باتیں ہیں پلٹ آ وطن یہی تھا۔ تو نے اب پہچان لیا۔ اب پلٹ آ۔ اِلَــی رَبِّکِ اپنے رب کی طرف۔ ادھر سے بچھڑ کے گیا تھا تو جیسے بچھڑ کے گیا تھا اپنے رب کی طرف سے بچھڑے ہوئے پھر مل جا۔ پھر کس حال میں آ میں تمہیں جیسا بھی رکھوں تو راضی ہوگیا۔ نفس مطمئنہ کی پہچان یہ ہے کہ جب اس کی یہ حالت ہوجائے اس کو "راضیۃ" کہتے ہیں۔

جس حال میں اللہ رکھے بس وہ راضی رہے۔ اللہ بلاتا ان ہی کو ہے جو اس حال میں ہو جاتے ہیں۔ شرط ہے میرے حضور آنے کی۔ یہ نقطہ ایک اور قابل توجہ ہے۔ میرے حضور پہنچنے کی میرے پاس پلٹ آنے کی شرط ہے کہ راضیۃ ہوکے آ۔ سراپا تسلیم و رضا بن کے آ۔

ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

اپنے رب کی طرف پلٹ آ۔ شرط یہ ہے کہ سراپا رضا بن کے آ۔

شکووں کی دنیا میں چھوڑ کے آ۔ یہاں شکوے نہیں ہیں۔ تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ میں ہمہ وقت تیری رضا کا طالب بن جاؤں گا۔

میری تقدیر کا قلم تیری زبان ہوجائے، میری تقدیر کا قلم تیری چاہت ہوجائے گی۔ میری تقدیر کا قلم تیرے ہاتھ بن جائیں گے۔ تیری آنکھ بن جائے گی۔ مرضیۃ تو سرا پا رضا بن کے میری طرف آ۔ پھر میری رضا تیری منتظر ہو جائے گی۔ میری قضا تیری منتظر ہوجائے گی۔

جب انسان اللہ کے ساتھ ایسے تعلق میں جڑ جائے، اس کو پھر خطاب ہوتا ہے۔ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ایسے لوگ میرے بندے ہوتے ہیں۔ ان کو فرمایا" فَادْخُلِي فِي عِبَادِي "میرے بندوں میں داخل ہو جا۔

بندہ ہونا اور شے ہے اور اس کا بندہ ہونا اور شے ہے۔ جو اس کا بندہ ہو جاتا ہے اس کا انتظار ہمہ وقت ادھر رہتا ہے۔ وہ بلاتا رہتا ہے میرے بندے آ۔ میرے بندے اب راضی ہے؟ تو فرمایا جب راضیہ مرضیہ کے مرحلہ طے کرلے تو اب فرمایا "فَادْخُلِي فِي عِبَادِي میرے بندوں کے زمرے میں داخل ہو جا۔ میرے بندے ایسے بندے ہیں ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ "فَادْخُلِي جَنَّتِي" پھر جب میرے بندے بن جاتے ہیں تو پھر ساری جنتیں ان کے لئے کھول دی جاتی ہے۔ وادْخُلِي جَنَّتِي میری جنت میں داخل ہو جا۔

کوئی میرا بندہ بننا چاہے تو محبوبﷺ تیرا سوالی بن جائے بس جدھر جدھر تو لیے پھرے بس ادھر ادھر جاتا جائے۔ اپنی رضا تیری رضا پہ مٹا دے۔ اپنی خواہش محبوب تیری خواہش پہ قربان کر دے۔ اپنی چاہت تجھے بنا لے۔ اپنی چاہت، اپنا قبلہ محبت تمہیں کر لے تیرا سوالی بن جائے۔ محبوب تیرا ہوجائے تو بس وہ میرے بندوں میں آجائے گا۔ بس یہ درمیان کے سارے رستے اسی طرح طے ہو جائیں گے۔ وہ تجھ سے پوچھتا جائے اور وہ سفر طے کرتا جائے۔ حتی کہ عبادی میرے بندوں تک آ پہنچے۔

اور دوسری علامت یہ ہے کہ محبوب تیرا سوالی ہو اور پہچان یہ ہے کہ تلاش صرف میری رہے۔ ہمارے اندر دونوں چیزوں کا فقدان ہے۔ ہمارے اندر دونوں چیزوں کا فقدان ہے یا تو ہم حضور کے سوالی ہی نہیں رہے۔ نام کے سوالی ہیں۔ یوں تو ہم سارے لاکھوں کی تعداد میں ساری دنیا حضور کی بارگاہ میں جاتی ہے۔ روضہ اطہر پہ حاضر ہوتی ہے اور ہر کوئی روضہ مبارک کے سامنے کھڑے ہوکر حضور ہم آپ کے سوالی ہیں۔

ہر کوئی جب مسجد میں آتا ہے اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کے کہتا ہے ہم تیرے سوالی ہے۔ مگر کہنا اور چیز ہے اور سوالی بن جانا اور چیز ہے۔ سوالی تو پھر پورے تقوی اور بھروسہ اور توکل کے ساتھ ہوتا ہے نا۔ تو جو ادھر ادھر بھی نگاہ اٹھائے کہ شاید ادھر سے مل جائے شاید ادھر سے مل جائے۔ اسے سوالی نہیں کہتے۔ یہ پروفیشنل ہوتے ہیں۔ یہ تاجر ہوتے ہیں۔

یہ سوداگر ہوتے ہیں۔ سوالی نہیں ہوتے سوداگر ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ طبعا لما جئت بہ

جو کچھ میں لایا ہوں اس کی ساری خواہشیں اس کے تابع ہو جائیں یہ ہے سوالی بننا۔ جب حضور ﷺ کے در کا سچا سوالی بن جائے۔ ایک اور دوسری تلاش اور طلب ہر شے کی ختم ہو جائے ایک ہی تلاش رہ جائے۔ بس اللہ کا خیال رہ جائے۔ دے دے تیری مرضی نہ دے تیری مرضی اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔

جب کوئی بندہ ایسا بن جائے تو محبوب ان کو خوشخبری سنا دیں۔ فَإِنِّي قَرِيبٌ ہر قدم پر مجھے قریب پاؤ گے۔

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ (البقرہ۲: ۱۱۵)

پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے)۔

اللہ رب العزت کا قرب اگر ہم چاہیں ہمیں چاہئے کہ ان دونوں شرطوں کو پورا کریں کہ پھر سچے دل سے حضور ﷺ کا سوالی بن جائیں اور ساری تلاش کے سفر ختم کر دیں۔ بس ایک ہی تلاش رہ جائے اور وہ اللہ والی تلاش ہے۔ یہ بڑے بڑے اولیاء کرام، حضرات، درویش جنہوں نے اللہ کو پایا وہ بس اللہ کی تلاش سے پایا۔

ولایت کے بلند درجے یہ بہت تسبیحات پڑھنے سے نہیں ملتے۔ بہت زیادہ نفل پڑھنے سے نہیں ملتے۔ ٹاٹ اوڑھ لینے سے بھی نہیں ملتے۔ جنگلوں اور غاروں میں جا کے لنگوٹے کس کے بیٹھ جانے سے بھی نہیں ملتے۔ ان اللہ کا قرب اور اس کی معرفت اور اس کی دوستی، اس کی ولایت، اس کا کرم اس کی تلاش سے نصیب ہوتا ہے۔ جو آدمی اللہ کا جتنا متلاشی ہے بس اتنا پا لیتا ہے۔

ایک شخص کا بیٹا گم ہو جائے یا اس کی کوئی اور انتہائی محبوب ترین شے اور وہ اس کی تلاش میں نکلا ہوا ہو۔

راستے میں کوئی آئے اور کہے ذرا آئیں دعوت ہے کھانا کھائیں۔ اس کا کھانے کو دل چاہے گا؟ میرا تلاش میں برا حال ہے تمہیں اپنی دعوتوں اور کھانوں کی پڑی ہوئی ہے۔ وہ کہے گا جب تک جس کی تلاش ہے وہ نہ ملے میں دوسری بات کہاں سے سنو۔ جب مل جائے تو خوشی سے دیوانہ ہو جاتا ہے پھر بھی کوئی بات کان میں نہیں پڑتی اب محبوب مل گیا ہے۔ جس کی چاہت تھی، مل گئی ہے جس کی تلاش تھی وہ مل گیا ہے اب بھی کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

پہلے ہر شے سے مستغنیٰ تھا کیونکہ تلاش غالب تھی۔ اب جس کی تلاش تھی وہ مل گیا اب باقی کی کیا پرواہ ہے۔ تو یہ اول سے آخر تک ہر شے سے پانے سے پہلے بھی مستغنیٰ ہے۔ اور پانے کے بعد بھی مستغنی ہے۔ اسے حاجت پہلے بھی اللہ کی تھی بعد میں بھی اللہ کی ہے۔

جب دنیا کی تلاش انسان کو اتنا دیوانہ کر دیتی ہے اور باقی ہر شے کو بھلا دیتی ہے تو سوچیں جس کو رب کی تلاش ہو جائے اس کا حال کیا ہوگا۔ ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل کیسے گزرتا ہے اور ہمارا وقت تو آرام سے اس لیے گزر رہا ہے کہ ہمیں وہ تلاش کی آگ نہیں لگی۔ اس لئے آرام سے سوتے ہیں۔ آرام سے اٹھتے ہیں۔ آرام سے کھاتے پیتے ہیں اس طرح میاں محمد صاحب کا شعر ہے۔

عشق جناں دی ہڈی رچیا
ملدیوی روندے وچھڑے وی روندے
روندے ٹردے راہواں

تلاش کا سلیقہ سیکھنا ہے تو حضور ﷺ کے سوالی بن جاؤ۔ بس تلاش کا طریقہ بھی آ جائے گا۔ جس کی تلاش ہے وہ بھی مل جائے گا۔ اللہ کی تلاش کے طریقے حضور ﷺ کے صحابہ سے سیکھیں۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بلال سے طریقے سیکھیں۔ ان سب نے حضور ﷺ سے سیکھے ہیں پھر دیکھو فانی قریب کیا رنگ بنتا ہے پھر دوریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ بندہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ اللہ بندے کے قریب ہوتا ہے اور پھر اتنا قریب ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو پھر سمجھ ہی نہیں آتی۔ اللہ تبارک و تعالی ہمارے حال پر لطف و کرم فرمائے۔ ہمیں حضور ﷺ کا سچا سوالی بنا دے اور اپنی سچی صدق والی تلاش عطا کر دے۔ اپنی صدق والی تلاش عطا فرمائے۔ ☆☆

بعد از کربلا سفرِ شام

صبر، شجاعت و عظمتِ اہلِ بیتِ اطہار

حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو سیدہ زینب نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا ''اے میرے اللہ! یہ قربانی ہم سے قبول فرما''

سماوہ سلطان

حدیثِ عشق دو باب است کربلا و دمشق
یک حسین رقم کرد و دیگر زینب

روزِ عاشور جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوگئے تو ان کی ہمشیرہ سیدہ زینب نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا" ,اے میرے اللہ !یہ قربانی ہم سے قبول فرما"۔ پھر امام حسین کی لاش پر کہنے لگیں:

ترجمہ "اے محمد ﷺ یہ آپ کی بیٹیاں ہیں جو اسیر ہوکر جارہی ہیں۔ یہ آپ کے فرزند ہیں جو خون میں ڈوبے زمین پر گرے ہوئے ہیں، اور صبح کی ہوائیں ان کے جسموں پر خاک اڑا رہی ہیں !یہ حسین ہے جس کا سر پشت سے قلم کیا گیا اور ان کی دستار اور ردا کو لوٹ لیا گیا؛ میرا باپ فدا ہو اس پر جس کے خیموں کی رسیاں کاٹ دی گئیں !میرا باپ فدا ہو اس پر جو نہ سفر پر گیا ہے جہاں سے پلٹ کر آنے کی امید ہو اور نہ ہی زخمی ہے جس کا علاج کیا جاسکے! میرا باپ فدا ہو اس پر جس پر میری جان فدا ہے؛ میرا باپ فدا ہو اس پر جس کو غم واندوہ سے بھرے دل اور پیاس کی حالت میں قتل کیا گیا؛ میرا باپ فدا ہو اس پر جس کی داڑھی سے خون ٹپک رہا تھا !میرا باپ فدا ہو جس کا نانا رسول خدا ﷺ ہے اور وہ پیامبر ہدایت ﷺ، اور خدیجۃ الکبریٰ اور علی مرتضیٰ، فاطمۃ الزہراؑ، سیدۃ نساء العالمین کا فرزند ہے، میرا باپ فدا ہو اس پر وہی جس کے لئے سورج لوٹ کے آیا حتیٰ کہ اس نے نماز ادا کی"۔ (بحار الانوار)

جب تمام لشکرِ حُسین شہید ہو گیا تو مردوں میں صرف امام زین العابدین بچ گئے چونکہ وہ شدید بیمار تھے اس لیئے جنگ کا حصہ نہیں بنے۔ ان کے ساتھ صرف مستورات رہ گئی تھیں۔ شامِ غریباں سے سیدہ زینب بنت علی کا امتحان شروع ہوا۔ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں کی پُردرد شہادت کے بعد حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے بہادری اور صبر کی جو مثال قائم کی اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

یزیدی لشکر نے عمر ابنِ سعد کے حکم پر سادات کے خیموں کو آگ لگا دی، اس وقت بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے سب کو خیموں سے باہر نکالا،امام زین العابدین نقاہت کی وجہ سے نیم غنودگی میں تھے وہ خود باہر نہیں جا سکتے تھے تو تب بھی بی بی زینب نے ان کو جلتے خیموں سے بچا کر باہر نکالا۔ اب آلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کُھلے آسمان تلے آ گئے۔

رات ہوئی تو ثانیِ زہرا خود پہرے پر آ گئیں۔ وہ کتنی باہمت اور شجاعت والی تھیں، کہ اتنا سب دیکھنے کے بعد بھی وہ پورے وقار اور حوصلے کے ساتھ سب کی محافظ بن کر، علم تھامے علمدار بن کر کھڑی تھیں۔ یوں تمام رات انہوں نے پہرہ دیا، اس ایک رات میں زینب سلام اللہ علیہا علی بھی تھیں، حُسین بھی اور عباس بھی۔اسی لئے ان کو 'جبلِ صبر' یعنی صبر کا پہاڑ کہا جاتا ہے۔

اگلی صبح تمام سادات کو اسیر کیا گیا کیونکہ یزید کا حکم

تھا کہ ان کو قیدی بنا کر شام میں لایا جائے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ راستے میں جگہ جگہ رکتے ہوئے آئیں، ہر جگہ یزید کی جیت کا جشن ہوگا۔ اب پابند رسن ہو کر سب اونٹ پر سوار ہوئے اور سامنے نیزوں پر مبارک سروں کو چڑھایا گیا۔

یہ تکلیف دہ سفر چلتا رہا اور جہاں جہاں قافلہ رکتا وہاں جشن کا سما ہوتا, کچھ لوگ جانتے تھے کہ یہ کون ہیں اور کئی بے خبر بھی تھے جنہیں بس یہی بتایا گیا تھا کہ یہ کچھ باغی ہیں اور ان کے خاندان والے۔

سارا ماحول بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ عظمت و ہمتِ اہل بیت کا اندازہ کر سکیں کہ کن مشکل ترین حالات میں کیسے وہ صبر، شکر اور شجاعت کا پیکر بنے رہے۔ یہ وہ ہیں جو دونوں جہاں کے مالک و مختار ہیں اس کے باوجود تکالیف سے کس شان سے گزرے۔

پہلے یہ قافلہ کوفہ میں عبید اللّٰہ ابن زیاد کے دربار میں پہنچا۔ یہاں سب اسیر ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے اور نیزوں سمیت سر بھی وہاں رکھے گئے۔ یاد رہے کہ دربار پہنچنے سے قبل تمام کوفہ شہر میں ان سروں اور اسیروں کو پھرایا گیا۔ اب اتنی اذیت کے بعد جب ابنِ زیاد کے سامنے یہ سب کھڑے کئے گئے تو اس نے حکم دیا کہ عوام بھی دربار میں داخل ہو سکتے ہیں، تو کئی لوگ جمع ہو گئے، دربار بھر گیا۔ اب یہاں اہل بیت، خاص طور پر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی بہادری اور جرات ہم سب کے لیے ایک بہترین مثال ہے کہ عورت ہوتے ہوئے نہ وہ ڈری اور نہ ہی جھکی، انہوں نے اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے پیغام کو کس ہمت سے آگے پہنچایا۔ اب حال یہ ہے کہ خود اسیری کی حالت میں ہیں، اپنا سارا کنبہ کھو چکی ہیں، اپنے پیاروں کے سروں کو نیزوں پہ دیکھ رہی ہیں، ظالم کے روبرو پیش ہیں، اور کوفی تماشائی بنے کھڑے ہیں، ایسے میں جنابِ سیدہ نے ابنِ زیاد کے ساتھ جو مناظرہ کیا وہ تاریخ کا سب سے مضبوط مناظرہ ثابت ہوا۔

ابن زیاد نے کہا" : تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے تمہارے خاندان کو رسوا کیا، مارا اور دکھایا کہ جو کچھ تم کہہ رہے تھے سب جھوٹ تھا ."

تو بی بی زینب نے بلند آواز میں فرمایا" : تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں پیغمبر کے ذریعے نوازا اور ہر ناپاکی سے دور رکھا۔ فاسق کے علاوہ کسی کی رسوائی نہیں ہوتی، اور بدکار کے علاوہ کوئی جھوٹ نہیں بولتا ."

ابنِ زیاد بولا : دیکھ لیا کہ اللہ نے تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کیا؟

تو بنتِ علی نے فرمایا :اچھائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا !یہ وہ لوگ تھے جن کے مقدر میں اللہ تعالی نے قتل ہونا قرار دیا تھا اور انہوں نے بھی اطاعت کی اور اپنی ابدی منزل کی جانب چلے گئے اور بہت جلد اللہ تعالی تمہیں ان کے سامنے کرے گا اور وہ اللہ تعالی سے تمہاری شکایت کریں گے، تب دیکھنا کہ اس دن کون کامیاب ہوتا ہے۔

سیدہ کا خطبہ سن کر دربار میں موجود کوفی نادم و پشیمان ہونے لگے اور ابن زیاد پر لعنت کرنے لگے تو ابن زیاد غصے میں آ کر بولا، "یہ بھی اپنے باپ علی کی طرح ماہر خطیب ہے؛ اپنی جان کی قسم !تمہارا باپ بھی شاعر تھا اور سجع اور قافیے میں بات کرتا تھا ."

بُشر بن حُزیم اسد جو اس دربار میں موجود تھا، جناب زینبؑ کے خطبے کے بارے میں روایت کرتا ہے کہ اس دن میں زینب بنت علیؑ کو سن رہا تھا، خدا کی قسم میں نے کسی کو خطابت میں ان کی طرح فصیح و بلیغ نہیں دیکھا؛ گویا امیرالمؤمنین علی بن ابی طالبؑ کی زبان سے بول رہی تھیں۔ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر ایک غضبناک لہجے میں فرمایا: "خاموش ہوجاؤ !" تو نہ صرف لوگوں کا وہ ہجوم خاموش ہوا بلکہ اونٹوں کی گردن میں باندھی گھنٹیوں کی آواز آنا بھی بند ہوگئی۔

اب ابنِ زیاد نے اسی میں اپنی خیر جانی کہ اس قافلے کو جلد از جلد شام میں یزید کے پاس بھیجا جائے کیونکہ کوفہ کے لوگوں میں بغاوت پیدا ہو رہی تھی۔

اس وقت شام (دمشق) میں یزید کی حکومت کافی مضبوط تھی۔ اس نے جشن کا حکم دے رکھا تھا اور شامیوں نے

اس روز نئے کپڑے پہنے، راستوں کو سجایا، ڈھول باجے بجائے، کسی میلے کا سا ماحول بنا دیا گیا تھا تاکہ اس خوشیاں مناتے ہوئے ہجوم میں سے آلِ نبیﷺ کا قافلہ گزرے اور ان کی اذیت میں اضافہ ہو۔ پھر بابِ سعد پر تیس گھنٹے ان کو کھڑا رکھا تاکہ دربار پہلے خوب سجایا جا سکے اور یزیدی فتح کا جشن پورا ہو جائے۔ جب اسیران دربار یزید میں داخل ہوئے تو وہ بھی کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یزید ایک تخت پہ بیٹھا شراب نوشی کر رہا تھا، ایسے ماحول میں وہ پاک ہستیاں یہاں داخل ہوئیں۔ وہاں یزید کی مدح سرائی کی جا رہی تھی۔ اتنے میں امام سجاد (زین العابدین) ابنِ حسین نے تقریر کرنے کا مطالبہ کیا جسے فوراً یزید نے رد کر دیا۔لیکن دربار میں موجود تمام لوگ سننا چاہتے تھے کہ امام نے کیا بات کرنی ہے انہوں نے یزید سے اصرار کیا کہ ان کو بولنے دیا جائے مجبوراً اس کو یہ بات ماننا پڑی۔

پابند سلاسل میں جو سجاد نہ ہوتا
یہ دین کبھی قید سے آزاد نہ ہوتا

اب ذہن میں رکھیں کہ امام سجاد کئی دن سے بیمار ہیں، پاؤں میں بیڑیاں ہیں، گلے میں طوق ہے، ہاتھوں میں زنجیر ہے، نحیف ہیں اور بہت غم اٹھا رہے ہیں، لیکن جب وہ بولے تو ایسے کہ گویا امام علی علیہ السلام بول رہے ہوں !ہمت، جلال، دلیری، شجاعت سے بھر پور خطبہ دیا۔

آپ علیہ السلام نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"اللہ کے نام سے جو بہت رحم والا نہایت مہربان ہے۔ لوگو! خدا نے ہمیں چھ امتیازات اور سات فضیلتوں سے نوازا ہے؛ ہمارے چھ امتیازات علم، حلم، بخشش و سخاوت، فصاحت، شجاعت، اور مؤمنین کے دل میں ودیعت کردہ محبت سے عبارت ہیں۔ ہماری سات فضیلتیں یہ ہیں، خدا کے برگزیدہ پیغمبر حضرت محمدﷺ ہم سے ہیں۔امیرالمؤمنین علیؑ ہم سے ہیں۔جعفر طیار ہم سے ہیں۔شیر خدا اور شیر رسول خدا حضرت حمزہ سیدالشہداء ہم سے ہیں۔ اس امت کے دو سبط حسن و حسینؑ ہم سے ہیں۔زہرائے بتول سلام اللہ ہم سے ہیں اورمہدی امت ہم سے ہیں۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا کردار ہم سب عورتوں کے لئے ایک مثال ہے۔ ہم نے ان سے قیادت سیکھنی ہے، مشکلات سے گزرنا سیکھنا ہے، حق کے لیے آواز بلند کرنا دیکھنا ہے۔ اور اگر ہم صحیح معنوں میں بی بی زینب کے پیروکار ہیں

لوگو! (اس مختصر تعارف کے بعد) جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا میں اپنے خاندان اور آباء و اجداد کو متعارف کرواکر اپنا تعارف کراتا ہوں"۔

یہ تو مختصر سا تعارف تھا، جس کے بعد امام نے اپنا تفصیلی تعارف دینا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا:

"لوگو !میں مکہ و منٰی کا بیٹا ہوں، میں زمزم و صفا کا بیٹا ہوں"

اس بات کا کیا مطلب ہوا؟ پہلے یہ بات سمجھ لیتے ہیں پھر امام کے خطبے کا اگلا جملہ دیکھیں گے۔ یہاں مناسکِ حج کا بیٹا ہونے سے ایک تو یہ مراد ہے کہ وہ اس قدر عبادات کے عادی اور واقف ہیں کہ گویا وہ حج کے ہی بیٹے ہوں۔ بیٹا تو باپ سے قریب ہوتا ہے، انس و محبت رکھتا ہے، احترام کرتا ہے اور باپ بھی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے۔یعنی عبادات خود امام علیہ السلام سے محبت رکھتی ہیں۔ حج سے وہ مانوس ہیں ایسے کہ وہ آپ کے وجود میں ہے۔ کیونکہ یزید تو امام حسین علیہ السلام پر بغاوت کا الزام لگائے ہوئے تھا اور کہتا تھا کہ یہ دین سے خارج ہیں تو اس بات کے جواب میں امام زین العابدین نے یہ جملہ کہا کہ ہم ہی تو ابنِ مکہ و منٰی ہیں، ہم ہی تو اصل دین ہیں۔

اس جملے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مناسکِ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسبت سے ہیں تو امام علیہ السّلام کا خاندان ابراہیم علیہ السلام کی ہی تو اولاد ہے۔ یعنی جن کی وجہ سے مناسک حج بنے وہ انہی کے تو اجداد ہیں۔

پھر امام نے اپنا خطبہ یوں جاری رکھا کہ:

"میں اس بزرگ کا بیٹا ہوں جس نے حجرالاسود کو اپنی عبا کے پلو سے اٹھا کر اپنے مقام پر نصب کیا، میں بہترینِ عالم کا بیٹا ہوں، میں اس عظیم ہستی کا بیٹا ہوں جس نے احرام باندھا اور طواف کیا اور سعی بجا لائے، میں بہترین طواف کرنے والوں اور بہترین لبیک کہنے والوں کا بیٹا ہوں؛ میں اس بزرگ کا بیٹا ہوں جو براق پر سوار ہوئے، میں ان کا بیٹا ہوں جنہوں نے معراج کی شب مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کی طرف سیر کی، میں اس ہستی کا بیٹا ہوں جن کو جبرائیل سدرۃ المنتہی تک لے گئے۔ میں ان کا بیٹا ہوں جو زیادہ قریب ہوئے اور زیادہ قریب ہوئے تو وہ تھے دو کمان یا اس سے کم تر کے فاصلے پر، میں ہوں اس والا صفات کا بیٹا جنہوں نے آسمان کے فرشتوں کے ہمراہ نماز ادا کی؛ میں ہوں بیٹا اس رسول کا جس کو خدائے بزرگ و برتر نے وحی بھیجی؛ میں محمد مصطفیٰ ﷺ اور علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کا بیٹا ہوں"

یہاں تک تو امام نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اپنی قرابت ظاہر کی تو اب آگے امام علی کے ساتھ نسبت اور پھر شامیوں کو ان کا رتبہ بتانا بھی بہت ضروری تھا۔ تو امام نے بہترین انداز میں شانِ علی بیان کی۔ آپ نے فرمایا:

"میں اس عظیم مجاہد کا بیٹا ہوں جنہوں نے رسول ﷺ کے رکاب میں دو تلواروں اور دو نیزوں سے جہاد کیا اور دوبار ہجرت کی اور دوبار رسول اللہ (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی"

پہلے اس جملے کا معنی واضح کر دوں، اس کے بعد امام سجاد کے خطبے کی طرف واپس آئیں گے۔ یہاں "دو تلواروں "سے ایک تو مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ نے مولا علی کو منات (ایک بت) کو توڑنے کا حکم دیا۔ امام علی نے اسے توڑا اور پھر اس سے منسلک چیزیں لا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ ان میں دو تلواریں بھی تھیں۔ حضور ﷺ نے وہ دونوں تلواریں امام علی کو دے دیں۔

دوسرا، دو تلواروں سے مراد یہ بھی ہے کہ امام کی تلوار "ذوالفقار "دو دھاری تھی۔ اس جملے کا تیسرا مطلب یہ بھی ہے کہ غزوہ احد میں امام علی کی ایک تلوار ٹوٹ گئی تو نبی کریم ﷺ نے دوسری تلوار دی جس سے انہوں نے جنگ کی۔

اب آگے اسی جملے میں "دو ہجرتوں " کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد پہلی ہجرت تو مکہ سے مدینہ کی ہے لیکن دوسری ہجرت سے مراد شعبِ ابی طالب کی طرف ہجرت بھی ہو سکتی ہے، اور یا پھر مدینہ سے کوفہ کی طرف ہجرت مراد ہے۔

پھر امام سجاد نے "دو بیعت "لینے کا ذکر کیا، اس سے مراد پہلی بیعت، بیعت رضوان تھی جو صلح حدیبیہ کے موقع پر امام علی نے حضور ﷺ سے کی اور دوسری بیعت فتح مکہ کے بعد کی گئی۔

اب واپس امام سجاد کے خطبے کی طرف آتے ہیں، آپ نے مزید فرمایا:

بدر و حنین میں کفار کے خلاف شجاعانہ جہاد کیا اور لمحہ بھر کفر نہیں برتا؛ میں اس پیشوا کا بیٹا ہوں جو مؤمنین میں سب سے زیادہ نیک و صالح، انبیاء علیہم السلام کے وارث، مسلمانوں کے امیر، اور سب سے زیادہ صبر و استقامت کرنے والے اور آل یسین (یعنی آل محمد ﷺ) میں سب زیادہ قیام و عبادت کرنے والے والے ہیں۔ میرے دادا وہ ہیں جن کو جبرائیلؑ کی تائید و حمایت اور میکائیلؑ کی مدد و نصرت حاصل ہے، شیرِ دلاور، اور اس امت کے دو سبطین "حسن و حسینؑ کے والد ہیں؛ ہاں! یہ میرے دادا علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں میں عالمین کی تمام خواتین کی سیدہ کا بیٹا ہوں"۔

یہاں پر جبرائیل اور میکائیل کی حمایت میں جنگ بدر کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ حضرت امام حسنؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے جنگ بدر میں پرچم حضرت علیؑ کے دست مبارک میں دیا اور جبرئیل آپ کے دائیں طرف اور میکائل بائیں طرف سے آپ کی ہمراہی کر رہے تھے۔

روایت میں آتا ہے کہ جب امام زین العابدین نے اتنی بار "انا، انا، (میں) کہا اور اپنا اتنا تفصیلی تعارف کروایا تو دربارِ شام میں لوگ رونے لگ گئے اور یزید کو برا بھلا کہنے

لگے۔ اس سب سے گھبرا کر یزید نے اذان دینے کا حکم دیا تا کہ امام اپنا خطبہ روک دیں۔

مؤذن نے کہا :اللہ اکبر اللہ اکبر

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا، "خدا سب سے بڑا ہے اور کوئی چیز بھی اس سے بڑی نہیں ہے ."

مؤذن نے کہا : أشهد أن لا إله إلا الله

امام نے فرمایا:"میرے بال، میری جلد، میرا گوشت اور میرا خون سب اللہ کی وحدانیت پر گواہی دیتے ہیں۔"

مؤذن نے کہا : أشهد أن محمدا رسول الله

امام علیہ السلام نے سر سے عمامہ اتارا اور مؤذن سے مخاطب ہوکر فرمایا: " اے مؤذن! تمہیں اسی محمدﷺ کا واسطہ، یہیں رک جاؤ لمحہ بھر، تا کہ میں ایک بات کہہ دوں؛ اور پھر منبر کے اوپر سے یزید بن معاویہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے یزید! کیا محمدﷺ میرے نانا ہیں یا تمہارے؟ اگر کہو گے کہ تمہارے نانا ہیں تو جھوٹ بولو گے اور کافر ہو جاؤ گے اور اگر سمجھتے ہو کہ آپﷺ میرے نانا ہیں تو بتاؤ کہ تم نے ان کی عترت اور خاندان کو قتل کیوں کیا اور تم نے میرے والد کو قتل کیا اور ان کے اور میرے خاندان کو اسیر کیوں کیا؟

عابد کا وہ جلال تھا دربارِ شام میں
حاکم یہ پوچھتا تھا کہ بیمار کون ہے

بس اس کے بعد یزید آگے آ کھڑا ہوا اور نمازِ ظہر پڑھنے لگا۔ لیکن لوگ درہم برہم ہوگئے اور یزید کے خلاف بولنے لگے۔ ایک یہودی بھی وہاں موجود تھا، امام کا خطبہ سن کر یزید سے مخاطب ہوا کہ، خدا کی قسم اگر ہمارے نبی موسی کی کوئی اولاد ہمارے پاس ہوتی تو ہمارا یہ گمان ہے کہ ہم ان کی پرستش کی حد تک احترام کرتے۔ لیکن تم لوگ! تمہارا نبی کل اس دنیا سے چلا گیا ہے اور آج ان کی اولاد پر حملہ آور ہوئے ہو اور اسے تہ تیغ کر ڈالا ہے؟ افسوس ہو تم لوگوں پر!

اتنے میں یزید نے ایک چھڑی لانے کا حکم دیا اور پھر امام حسینؑ کا سر اپنے ساتھ رکھوایا اور ان کے ہونٹوں پر وہ چھڑی پھیرنے لگا، وہاں ایک صحابی رسول بھی تھے، یہ دیکھ کر رونے لگے اور یزید سے کہا، اے یزید ! کیا تو اس چھڑی سے فرزند فاطمہ کے دندان مبارک پر مار رہا ہے؟ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پیغمبر اکرم حسینؑ اور ان کے بھائی حسن کے لبوں اور دندان مبارک کو بوسہ دیتے اور فرماتے تھے کہ تم دونوں جوانان جنت کے سردار ہو جو تمہیں قتل کرے خدا اس کو قتل کرے اور اس پر لعنت کرے اور اس کے لیے جہنم کو آمادہ کرے اور وہ بہت خراب جگہ ہے۔

یزید نے ان کو دربار سے باہر نکالنے کا حکم دیا۔

اتنے میں بی بی زینب سلام اللہ علیہا بلند آواز میں بولی۔

"سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو کائنات کا پروردگار ہے۔ اور خدا کی رحمتیں نازل ہوں پیغمبر اکرمﷺ پر اور ان کی پاکیزہ عترت و اہل بیت پر۔ اما بعد !بالآخر ان لوگوں کا انجام برا ہے جنہوں نے اپنے دامن حیات کو برائیوں کی سیاہی سے داغدار کر کے اپنے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور آیات پروردگار کا مذاق اڑایا۔

اے یزید! کیا تو سمجھتا ہے کہ تو نے ہم پر زمین کے گوشے اور آسمان کے کنارے تنگ کر دیے ہیں اور رسول کی آل کو رسیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر در بدر پھرانے سے تو خدا کی بارگاہ میں سرفراز ہوا اور ہم رسوا ہوئے ہیں؟ کیا تیرے خیال میں ہم مظلوم ہو کر ذلیل ہو گئے اور تو ظالم بن کر سر بلند ہوا ہے؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم پر ظلم کر کے خدا کی بارگاہ میں تجھے شان و مقام حاصل ہو گیا ہے؟۔ آج تو اپنی ظاہری فتح کی خوشی میں سرمست ہے، مسرت و شادمانی سے سرشار ہو کر اپنے غالب ہونے پر اترا رہا ہے۔ اور خلافت کے ہمارے مسلمہ حقوق کو غصب کر کے خوشی و سرور کا جشن منانے میں مشغول ہے۔ اپنی غلط سوچ پر مغرور نہ ہو اور ہوش کی سانس لے ۔ کیا تو نے خدا کا یہ فرمان بھلا دیا ہے کہ حق کا انکار کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو انہیں مہلت دیتے ہیں یہ ان کے حق میں بھلائی ہے، ہم انہیں مہلت اس لیے دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں زیادتی کریں، اور ان کے لیے خوار کرنے والا عذاب ہے۔

اے طلقاء کے بیٹے! کیا یہ تیرا انصاف ہے کہ تو

نے اپنی مستورات اور لونڈیوں کو چادر اور چار دیواری کا تحفظ فراہم کر کے پردے میں بٹھا رکھا ہوا ہے جبکہ رسول زادیوں کو سر برہنہ در بدر پھرا رہا ہے۔تو نے مخدرات عصمت کی چادریں لوٹ لیں اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہوا۔ تیرے حکم پر اشقیاء نے رسول زادیوں کو بے نقاب کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔

اے یزید! یاد رکھ کہ خدا، آل رسول پاک کا تجھ سے انتقام لے کر ان مظلوموں کا حق انہیں دلائے گا۔ اور انہیں امن وسکون کی نعمت سے مالا مال کر دے گا۔ خدا کا فرمان ہے کہ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردے نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں۔

افسوس تو اس بات پر ہے کہ شیطان کے ہمنوا اور بد نام لوگوں نے رحمٰن کے سپاہیوں اور پاکباز لوگوں کو تہہ تیغ کر ڈالا ہے۔ اور ابھی تک اس شیطانی ٹولے کے ہاتھوں سے ہمارے پاک خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ ان کے ناپاک دہن ہمارا گوشت چبانے میں مصروف ہیں اور صحرا کے بھیڑیے ان پاکباز شہیدوں کی مظلوم لاشوں کے ارد گرد گھوم رہے ہیں اور جنگل کے نجس درندے ان پاکیزہ جسموں کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔

تو (یزید) جتنا چاہے مکر وفریب کر لے اور بھر پور کوشش کر کے دیکھ لے مگر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تو نہ تو ہماری یاد لوگوں کے دلوں سے مٹا سکتا ہے اور نہ ہی وحی الٰہی کے پاکیزہ آثار محو کر سکتا ہے۔ تو یہ خیال خام اپنے دل سے نکال دے کہ ظاہر سازی کے ذریعے ہماری شان ومنزلت کو پا لے گا۔ تو نے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس کا بدنما داغ اپنے دامن سے نہیں دھو پائے گا۔ تیرا نظریہ نہایت کمزور اور گھٹیا ہے۔ تیری حکومت میں گنتی کے چند دن باقی ہیں۔ تیرے سب ساتھی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ تیرے پاس اس دن کی حسرت و پریشانی کے سوا کچھ بھی نہیں بچے گا۔ جب منادی ندا کرے گا کہ ظالم وستم گر لوگوں کے لیے خدا کی لعنت ہے۔ "

یہاں لفظ بہ لفظ خطبہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب اندازہ کر سکیں، کہ وہ کیا کردار ہے، کیا عزم تھا کہ اس حالت میں بھی یہ الفاظ ادا ہوئے۔ ان دونوں خطبات نے امام حسین علیہ السلام کے مقصد کو مکمل کر دیا۔ یہ جو آج تک ہم کربلا سے واقف ہیں یہ انہی خطبوں کی بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔

پھر زندانِ شام میں ان کو قید کر لیا گیا۔ اور بہت عرصہ وہاں قید رکھا گیا۔لیکن اہلِ بیت نہ ڈرے اور نہ ہی جھکے، نہ ہی اپنے مقصد سے پیچھے ہٹے۔

یہاں تو صرف دو خطبات و مناظرات کو تفصیلاً بیان کیا ہے لیکن ہر ایک کا عمل، اپنی جگہ عظیم ترین تھا۔ جیسے امام حسین علیہ السلام کی چار سالہ بیٹی سے جب یزید نے پوچھا کہ بتاؤ یہ سب کیسا لگا تو انہوں نے فرمایا ,قیامت کے دن ہم تم سے پوچھیں گے کہ بتاؤ کیسا لگ رہا ہے۔یعنی کمسنی میں اتنے غم دیکھنے کے بعد بھی ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ انہیں معلوم تھا کہ حق کیا ہے۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا کردار ہم سب عورتوں کے لئے ایک مثال ہے۔ ہم نے ان سے قیادت سیکھنی ہے، مشکلات سے گزرنا سیکھنا ہے، حق کے لیے آواز بلند کرنا دیکھنا ہے۔ اور اگر ہم صحیح معنوں میں بی بی زینب کے پیروکار ہیں تو ہم کیوں "مضبوط عورت (strong/empowered women) کے کانسپٹ کو تسلیم نہیں کرتے !

کربلا سے لے کر شام تک اور شام سے دوبارہ مدینہ تک، صرف درس ہی درس ہیں، مردوں کیلئے، عورتوں کیلے، بچوں کے لیے، صبر کا درس، بہادری کا، رضائے الٰہی کی طلب کا، اپنے آپ کو بہتر سے بہترین بنانے کا۔-

اہل بیت سے محبت تب پوری ہوگی جب ہم اپنی زندگیوں میں ان کو عملی طور پر شامل کرنا شروع کریں گے۔

الھم صلی علی محمد و آل محمد

لاکھوں کروڑوں درود و سلام ہو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت پر۔

☆☆☆☆☆

بانئ پاکستان کی شخصیت و کردار کے اہم گوشے

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اعتراف کیا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم روکنے کے لئے آئے مگر محمد علی جناح ایک پہاڑ کی طرح اس راہ میں رکاوٹ بنے

ڈاکٹر انیلہ مبشر

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی اقتدار کے خلاف مسلمانوں کی تحریک آزادی تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ بیسویں صدی میں اس قافلہ حریت کے میر کارواں قائداعظم محمد علی جناح تھے۔ بابائے قوم کو اسلامیان ہند کا محسنِ اعظم، رہبر کامل، عظیم مدبر، دور اندیش سیاستدان اور صاحبِ فراست و بصیرت رہنما ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ تحریک پاکستان کے سب سے ہیجان انگیز و پُرآشوب دور میں معرکہ حق و باطل سے نبرد آزما ہوئے اور اپنی مسحور کن، کرشمہ ساز شخصیت اور معجزاتی صلاحیتوں کی بدولت قوم کے لیے پروانہ آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ مسلمانوں کے دورِ زوال میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک تھے۔ دس کروڑ مسلمانوں کی روحانی، مذہبی، معاشرتی، تہذیبی اور معاشی آزادی، اکثریت کا جابرانہ تسلط سے نجات اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کا تحفظ قائد کی ذات سے وابستہ تھا۔ جن کے کردار کی ذرا سی لغزش مسلمانوں کے مستقل زوال کا سبب بن سکتی تھی۔ یہ برطانوی اقتدار کا وہ دور تھا جب اسلامیان ہند کی غلامی و آزادی کے درمیان قائداعظم کی بصیرت کارفرما تھی۔ اُن کی تاریخ ساز قیادت کے بغیر مسلمان ہندو اکثریت کے سمندر میں ڈوب کر ایک غیر موثر اقلیت بن کر رہ جاتے۔ قائد کے سیاسی شعور، بصیرت اور بالغ نظری نے مایوس قوم کو رفعت و بلندی کی نئی منزلوں سے آشنا کیا۔

آپ کی کثیر الجہت اور جامع الصفات شخصیت کا جائزہ لیں تو یہ نظریہ تقویت پکڑتا ہے کہ شخصیت تاریخی حقائق و حالات سے زیادہ قد آور ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ تاریخ کا رخ موڑنے پر قدرت رکھتی ہے۔ پروفیسر سٹینلے ولپرٹ اپنی کتاب ''جناح آف پاکستان'' میں اسی نکتے کو اجاگر کرتے ہوئے اس عظیم ہستی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بہت کم افراد تاریخ کا دھارا بدلتے ہیں۔ کم ہی ہوں گے جنھوں نے نقشہ عالم کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ کسی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اس نے کسی نئی مملکت کی تشکیل کی ہو۔ محمد علی جناحؒ نے یہ تینوں کام سرانجام دیئے۔ اُن کی شخصیت مسلم لیگ میں اپنے تمام ہم عصروں کے کارناموں میں بلند ترین معیار کا درجہ رکھتی ہے۔''

قائداعظمؒ کی بلند پایہ شخصیت اور عظمت کردار کا تذکرہ لارڈ مونٹ بیٹن آخری وائسرائے ہند نے اپنی یاد داشتوں میں کیا ہے حالانکہ وہ جناح مخالفت اور ہندو نوازی میں بہت مشہور تھے۔

جناح کی شخصیت بھی بڑی ممتاز اور نمایاں تھی۔ چٹان کی طرح اپنے مقام پر محکم اور سخت اور اس کے ساتھ انتہائی درجے کا ٹھنڈے دل و دماغ کا انسان۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ تم اس کے سینے کی گہرائیوں میں اتر سکو۔ نہایت ذہین و

فطین۔ وہ میرے دلائل کو نہایت آسانی سے سمجھ جاتے لیکن اس کے بعد ایسا محسوس ہوتا جیسے انھوں نے اپنے اور میرے درمیان کوئی حجاب حائل جڑ دیا ہو۔ وہ تمام دلائل کو ایک طرف رکھ دیتے اور مَیں اُن کے جواب کے لیے ان کے دماغ میں ذرا سی تحریک پیدا کرنے میں ناکام رہتا۔ مَیں انھیں اُن کے مقام سے ذرا برابر بھی نہ سرکا سکتا۔''

ایک انٹرویو میں لارڈ مونٹ بیٹن نے اعتراف کیا کہ اُن کا بطور وائسرائے ہندوستان جانے کا مقصد صرف ہندوستان کو متحد رکھنا اور تقسیم ہند کو روکنا تھا مگر صدر مسلم لیگ محمد علی جناح ایک پہاڑ کی طرح اس راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اُن کے ارادے تبدیل کرنے کے لیے میری ہر کوشش ناکام رہ گئی اور بالآخر مجھے ان کے سامنے جھکنا پڑا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن اور کانگرس کے گٹھ جوڑ اور سازشی کاروائیوں کے باوجود کانگریسی قائدین کے ہاتھوں صرف اقتدار منتقل ہوا لیکن امت مسلمہ کو حقیقی آزادی کی نعمت نصیب ہوئی جو قائد کے آئینی استدلال، دلیل محکم اور استقامت کے باعث ہی ممکن ہوسکی۔

اسی لیے مسز سروجنی نائیڈو یہ کہنے پر مجبور ہوئی۔ اگر مسلم لیگ کے پاس ایک سو گاندھی، ایک سو نہرو اور ایک سو ابوالکلام آزاد ہوتے اور کانگرس کے پاس صرف ایک جناح ہوتے ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی زندگی کے درخشاں پہلوؤں کا جائزہ لیں تو وہ اپنے ہم عصر ہندو لیڈروں سے کہیں زیادہ بلند اخلاقی قدروں کے حامل انسان تھے۔ موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، سردار پٹیل اور سب سے بڑھ کر گاندھی جی رواداری اور وسیع النظری کا دعویٰ کرنے کے باوجود تحریک خلافت، نہرو رپورٹ، گول میز کانفرنس کانگرسی وزارتوں اور ہندوستان کے آئینی و قانونی مسائل کے حل کی کوششوں کے دوران منافقتوں اور سیاسی دوغلے پن کا شکار نظر آتے ہیں مگر قائداعظم نے اخلاقیات کو سیاسیات سے کبھی الگ نہ کیا۔ منافقت آپ کے کردار کا کبھی حصہ نہ تھی۔ آپ نے فہم و فراست سے جس راستے کا انتخاب کیا پھر اس سے انحراف کرتے دکھائی نہ دیئے۔ جھوٹ اور دکھاوا آپ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔مثلاً تحریک خلافت کے دوران جب غیر قانونی اقدامات اٹھائے گئے اور سول نافرمانی کا آغاز ہوا تو آپ نے خود کو تحریک سے الگ کرلیا۔ آپ نے اپنی پوری سیاسی جدوجہد میں گاندھی جی یا دوسرے کانگریسی لیڈروں کی طرح قانون شکنی نہیں کی اور نہ ہی جیل گئے۔آپ نے ایک کانگریسی رہنما سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے انداز سیاست کے بارے میں فرمایا:

تمہاری ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ جس سے لوگ خوش ہوتے ہوں تم وہی کرو لیکن میرا کام کرنے کا طریقہ مختلف ہے میں سب سے پہلے فیصلہ کرتا ہوں کہ درست کیا اور صحیح کیا ہے اور پھر اپنے فیصلے کے مطابق کام کرتا ہوں۔ یوں لوگ میری پیروی کرنے لگتے ہیں اور مخالفت مٹ جاتی ہے۔

سیاست کی طرح آپ نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں بھی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو پامال نہ ہونے دیا۔ محنت شاقہ کی بدولت آپ صفحہ اول کے وکلا میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی فیس ایک ہزار روپے فی گھنٹہ تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے موکل نے آپ کو اپنے مقدمے کے کاغذات پڑھنے کے لیے 10ہزار روپے دیئے تو آپ نے کاغذات پڑھنے کے بعد 6500روپے واپس کردیئے اور فرمایا کہ میں نے ساڑھے تین گھنٹے میں ان کا مطالعہ کرلیا تھا۔

1940ء سے 1947ء تک کے ہنگامہ خیز دور میں آپ رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں کرنے کے لیے طوفانی دورے کرتے ایک مرتبہ گاندھی جی نے طنز کرتے ہوئے کہا میں ایک امیر قوم کا رہنما ہوں مگر سفر ہمیشہ ریل کے تیسرے درجے میں کرتا ہوں لیکن قائداعظم ایک غریب اور مفلس قوم کے رہنما ہیں مگر ایئر کنڈیشنڈ ڈبے میں سفر کرتے ہیں۔ آخر مسلم لیگ اتنے اخراجات کیوں اٹھاتی ہے۔آپ نے مسکرا کر جواب دیا:

مسٹر گاندھی بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ایئر کنڈیشنڈ ڈبوں میں سفر کرتا ہوں اور وہ تھرڈ کلاس میں آتے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں اپنا کرایہ اپنی جیب سے ادا کرتا ہوں اور ان کے سفر کا خرچ کانگرس کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

تاریخ و سیاسیات کے نامور محقق ڈاکٹر صفدر محمود کے مطابق پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بننے کے بعد ایک مرتبہ قائد کے چھوٹے بھائی ان سے ملنے آئے اور کارڈ پر لکھا:

بردر آف گورنر جنرل آپ اقربا پروری کو اس قدر ناپسند کرتے تھے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے بردر آف گورنر جنرل کے الفاظ کاٹ دیئے اور بھائی کو پیغام بھیجا کہ ملاقات کے لیے پہلے سے وقت لینا ضروری ہے۔

آپ کے اعلیٰ و ارفع افکار ونظریات،کردار کی بلند حوصلگی، خوداعتمادی، مقصد سے عشق، مسلسل محنت و مستقل مزاجی ہمیشہ سے نوجوان نسل اور طلبا کے لیے مشعل راہ رہی ہے۔ آپ کو مسلم نوجوان طلبہ سے بہت سی امیدیں تھیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اسلامیہ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج پشاور حریت پسند مسلمان طلبہ کے مرکز تھے۔ آپ کو جب بھی ان اداروں سے خطاب کی دعوت ملتی آپ فوراً قبول کر لیتے۔ مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے طلبا سے 1941ء میں لاہور میں خطاب کرتے ہوئے ان کی رہنمائی ان الفاظ میں فرمائی:

دولت کا چھن جانا کوئی معنی نہیں رکھتا
جرات چھن گئی تو کافی کچھ ضائع ہوگیا
عزت چھن گئی تو زیادہ تر ضائع ہوگیا
حوصلہ و روح چھن گئی تو سب کچھ ضائع ہوگیا

آپ نوجوانوں کے ذریعے قوم کو یہی پیغام دیتے رہے کہ جدوجہد کے صبر آزما لمحوں میں حوصلہ نہیں ہارنا۔ جذبہ جنوں اور روح کو زندہ رکھتا ہے۔

قیام پاکستان کے ابتدائی ایام میں ایک محفل میں آپ کی ملاقات خاتون رہنما بیگم شائستہ اکرام اللہ سے ہوئی۔ آپ نے پوچھا شائستہ پاکستان بن گیا۔ اب تم کیسا محسوس کرتی ہو۔ انھوں نے جواب دیا بہت سکون محسوس کرتی ہوں مگر قائداعظم دلی کا اُفق مجھے یہاں دکھائی نہیں دیتا جس پر لال قلعہ، شاہجہانی مسجد اور قطب مینار کے گنبد و مینار ابھرے ہوئے تھے۔ قائداعظم نے کچھ سوچ کر جواب دیا:

تم Form کا تحفظ چاہتی تھی یا روح کا۔ اگر روح محفوظ ہوگئی تو ہم یہاں بھی وہی گنبد و مینار پیدا کرلیں گے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نہ تو مذہبی مصلح تھے اور نہ مذہبی پیشوا اور نہ انھوں نے کبھی ایسا دعویٰ کیا مگر مشیت الٰہی کی بدولت اپنے فکروعمل سے اس خطہ ارضی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اورتہذیب اسلامی کے احیاء کے لیے ایک ایسا وطن معرض وجود میں لانے میں کامیاب ہوئے جو دس کروڑ مسلمانوں کی امنگوں کا ترجمان، ان کی مذہبی آزادی معاشی خوشحالی اور تہذیبی حقوق کا ضامن تھا۔ مگر اس راہ پُر خار کی آبلہ پائی میں انھوں نے اپنی صحت، جوانی اور ذاتی زندگی کا آرام وسکون سب کھودیا بلکہ اپنا تن من دھن اس وطن اوراس کے باسیوں پر نچھاور کردیا۔ آپ نے اپنی املاک و جائیداد اسلامیہ کالج پشاور، سندھ مدرسۃ الاسلام اور علی گڑھ یونیورسٹی کے نام وقف کرکے قوم کے نوجوان طلبہ کو اپنی حقیقی وارث قرار دے دیا۔ انھوں نے اپنی صحت کی قربانی دی تاکہ ہم صحت یاب ہوسکیں۔ انھوں نے نیند کو خود پر حرام کیا تاکہ آرام کی نیند مسلمانوں کا مقدر بنے۔ انھوں نے عمر بھر کے اثاثے مسلم تعلیمی اداروں کو منتقل کردیئے تاکہ ہم علم کی دولت سے بہرہ مند ہوسکیں۔ آپ نے جو رشتہ اپنی قوم کے ساتھ استوار کیا ایسا رشتہ کبھی فنا نہیں ہوتا بدستور قائم رہتا ہے۔ وہ اپنی ذات، اپنی انا اور اپنے مفاد سے بالاتر مسلمانوں کی ذات، مسلمانوں کی ملی انا اور مسلمانوں کے مفاد کے ساتھ وابستہ و پیوستہ تھے۔ اسی رشتے کی قوت پر وہ ایک زندہ رہنما ہیں۔ آپ کے پُرمغز بیانات، اعلانات، خطابات و تقاریر مستقبل کا لائحہ عمل فراہم کرتے ہیں جس سے قوم آج بھی استفادہ کرسکتی ہے۔ یقیناً آپ کل بھی میر کارواں تھے اور آج بھی میر کارواں ہیں۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے
نگہہ بلند سخن دلنواز جا پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

☆☆☆☆☆

تعلیم، تربیت اور اخلاق

روشن مستقبل کے لئے شرح خواندگی میں 100 فیصد اضافہ ناگزیر ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے تعلیم یافتہ پاکستان کے لئے مثالی ادارے قائم کئے

سمیہ اسلام

کسی بھی ملک کی ترقی میں شرح خواندگی اہمیت کی حامل ہوتی ہے، جس کے بغیر ترقی اور خوشحالی ناممکن ہے۔ آج کے دور میں ہمارے معاشرے کو ناخواندہ معاشرہ سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے کوئی بھی شخص معاشرتی سیاسی، معاشی اور قومی ترقی میں اپنے کردار ادا کرنے سے قاصر رہتاہے۔ اس طرح ہر فرد کو دوسروں سے استحصال کا خطرہ رہتا ہے۔ پاکستان میں آج ناخواندگی کو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیا جاتا ہے۔ ایک قوم گڈ گورننس، مضبوط معیشت اور اچھی تعلیم کے بغیر پائیدار ترقی حاصل نہیں کرسکتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی قوم اس وقت ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے جب اس کے شہری پڑھے لکھے ہوں۔کوئی بھی فرد ترقی ذاتی حیثیت میں نہیں کرتا بلکہ اس کے اثرات پورے معاشرے پر رونما ہوتے ہیں۔

خواندگی سے مراد:

اعداد و شمار کے پڑھنے، لکھنے اور استعمال کرنے، خیالات اور رائے کا اظہار کرنے، فیصلے کرنے اور معاملہ فہمی کے ہیں ۔بنیادی طور پر خواندگی ان تمام اصولوں کا مجموعہ ہے جن کا سامنا انسان کو اپنی زندگی میں کرنا پڑتا ہے

پاکستان سمیت دنیا بھر میں خواندگی کا عالمی دن کل منایا جاتاہے،اس دن کو منانے کا مقصد دنیا بھر کے کروڑوں ناخواندہ ،غیر تعلیم یافتہ، افراد کو تعلیم کی اہمیت سے روشناس کروانا ہے تاکہ جہالت کے اندھیرے دور ہوکر علم وفہم کے چراغ روشن ہوں، سب سے پہلے اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسکو نے 1965 میں منانے کا اعلان کیا جس کے بعد 8 ستمبر 1966 کو پہلا عالمی یوم خواندگی منایا گیا تاکہ دنیا بھر کے کروڑوں مرد وخواتین اور بچوں کو خواندگی کی امید دلائی جا سکے جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے، 2019 کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں ناخواندہ افراد کی تعداد 780 ملین سے زائد ہے جس میں 496 ملین خواتین ہیں، پاکستان سمیت دنیا بھر میں اس دن کی مناسبت سے انسانی حقوق کی تنظیموں، شرح خواندگی میں اضافے کے حوالے سے کام کرنے والے اداروں اور سماجی تنظیموں کے زیر اہتمام مختلف تقریبات منعقد کی جاتی ہیں جس میں تعلیم کی اہمیت کے ساتھ نا خواندہ افراد کے مسائل کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔جیسا کہ اس دن کے منانے کا مقصد دنیا سے جہالت کے اندھیرے دور کرکے آنے والی نسلوں کو ایک بہتر اور روشن مستقبل کی ضمانت دینا ہے۔تو بہت سے ممالک میں ہر سال خواندگی کے فروغ کے عالمی دن کی مناسبت سے مختلف پروگراموں اور سرگرمیوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔لیکن اس کے باوجود دنیا بھر میں لاکھوں بچے ایسے ہیں جو اسکول نہیں جاتے اور تعلیم جیسے بنیادی حق سے محروم ہیں۔ ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں بھی کم شرح خواندگی کی ایک بڑی وجہ تعلیم اور اس کی اہمیت کے بارے میں آگاہی نہ ہونا اور ناقص تعلیمی

نظام بھی ہے۔

خواندہ افراد کی کارکردگی ہی ہر شعبے میں بہتر ہوتی ہے۔ بلاشبہ نوجوان کسی بھی ملک کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ پڑھے لکھے، صحت مند اور پیداواری صلاحیتوں کے مالک ہوں تو وہ ملک کی اقتصادی ترقی میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں اور اس ملک کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس کے برعکس اگر وہ ناخواندہ، بیماریوں کا شکار اور پیداواری صلاحیتوں سے عاری ہوں تو وہ قوم پر بوجھ ثابت ہوتے ہیں۔ دنیا کے وہ ممالک جنہوں نے اس حقیقت کو پاتے ہوئے تعلیم کو فروغ دیا، ملک سے ناخواندگی دور کرنے کو سب کاموں پر فوقیت دی اور اس کے لیے وسائل مختص کیے، وہ صنعتی اور زرعی اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ تعلیم ہر قوم کے لیے کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ اگر ہم نے تعلیمی میدان میں خاطر خواہ ترقی نہیں کی تو نہ صرف یہ کہ ہم دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ شاید ہمارا وجود ہی قائم نہ رہے۔

ناخواندگی کی شرح ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ہے لیکن سب سے زیادہ ناخواندگی دیہات میں دیکھنے میں آتی ہے، جہاں اکثر عورتیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتیں۔ آج کل شہروں میں اگرچہ بیداری کی نئی لہر دوڑ چکی ہے لیکن ملک کا اہم حصہ یعنی دیہات اب بھی خواب غفلت میں محو ہیں۔ اگر ہم تیزی سے ترقی کرتی قوموں کے حالات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی ناکامیوں سے سبق سیکھا اور خود احتسابی کے عمل کو جاری رکھتے ہوئے کبھی اپنی غلطیوں کو نہیں دوہرایا۔ ماہرین کے مطابق تعلیمی میدان میں ہماری ناکامیوں اور زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے اساتذہ زیادہ تر غیر تدریسی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں، کبھی پولیو مہم، کبھی ڈینگی آگاہی مہم، کبھی امتحانات اور الیکشن میں ڈیوٹیاں یا پھر کوئی اور سرکاری کام، جس کی وجہ سے بچوں کی پڑھائی بری طرح متاثر ہو تی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اساتذہ کو کسی بھی غیر تدریسی عمل میں شریک کرنے کے بجائے ان کاموں کے لیے الگ سے بھرتیاں کی جائیں تا کہ اساتذہ اپنے کام پر پوری توجہ دے سکیں، ورنہ ہمارا معیار تعلیم پست سے پست ہوتا چلا جائے گا۔

تعلیم بالغاں ؛ کیوں اور کیسے؟:

ایسے افراد جو بچپن میں کسی وجہ سے سکولوں سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے، انہیں ضروری تعلیم دے کر معاشرے کے مفید افراد بنانا تعلیم بالغاں کہلاتا ہے۔ شرح خواندگی بڑھانے کے لیے تعلیم بالغاں کی اشد ضرورت ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے تعلیم بالغاں کی بدولت خواندگی کی شرح کو سو فیصد تک کر لیا ہے، جس کی وجہ سے وہ قومیں ترقی کی راہ پر گامزن ہو چکی ہیں۔ تعلیم بالغاں کی بدولت افراد کو ضروری تصورات کی تفہیم کے ساتھ مختلف فنون سکھائے جاتے ہیں تا کہ وہ کار آمد افراد بن کر ملک وقوم کے لیے مفید بن سکیں۔ ان پڑھ بالغ افراد کو تعلیم دینا کہ وہ اپنے کھیتوں کو سرسبز بنا سکیں یا کارخانوں میں بہتر کاریگر ثابت ہوں، اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بالغ شخص کو تعلیم دینا دولت اور محنت کا ضیاع نہیں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ چھوٹی عمر کے ان تمام بچوں کو جو کسی وجہ سے سکول نہیں جا رہے ہیں ، ان کا سکول میں داخلہ یقینی بنانے کے ساتھ ایسے والدین جو بچوں کو سکول نہیں بھیج رہے ہیں ان کی نشاندہی کر کے انہیں تعلیم کا شعور دیا جائے۔ میٹرک تک تعلیم نہ صرف بالکل مفت ہو بلکہ غریب بچوں کو وظائف، جوتے اور کپڑے وغیرہ بھی دیے جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ بالغ افراد کی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا جائے تا کہ ایسے افراد جو بچپن میں کسی بھی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکے تعلیم کی بدولت کار آمد افراد بن سکیں۔ ماضی میں ہم نے تعلیم بالغاں کی طرف کچھ خاص توجہ نہیں دی۔ اگرچہ اس تعلیم کے لیے سفارشات تو بہت پیش کی گئیں ، لیکن ان سفارشات کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں خواندگی کی شرح کم ہی رہی۔ تعلیم بالغاں کے لیے جامع اور مکمل درسی مواد وسیع پیمانے پر ترتیب دینا اور تیار کرنا ضروری ہے۔ تعلیم بالغاں معاشرتی استحکام پیدا کرنے اور سیاسی شعور بیدار کرنے

میں نمایاں کردار ادا کرسکتی ہے اور ملک کے ان پڑھ باشندوں کو اس قابل بنا سکتی ہے کہ وہ پورے وثوق سے اپنی شہری ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوسکیں۔

اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ شہر اور دیہات میں خواندگی کے لیے جامع منصوبہ بندی کرے اور دیگر معاشرتی اداروں میں تعلیم بالغاں کے مراکز کھولے جائیں اور روایتی طریقہ ہائے تدریس کے ساتھ ساتھ جدید رجحانات سے بھی استفادہ کیا جائے جیسے ٹی وی، ریڈیو، نمائش، سیمینار، چارٹ، ماڈل اور پوسٹرز وغیرہ۔ تعلیم بالغاں کے ان مراکز کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ کا سلیکشن کیا جائے اور انہیں ابتدائی تربیت دی جائے۔ تعلیم بالغاں کے پروگرام میں فیکٹریوں کے مزدوروں، دیہی علاقوں کے کسانوں، کاریگروں اور دیگر بالغ افراد جنھوں نے سکولوں میں تعلیم حاصل نہیں کی شامل کیا جائے تا کہ وہ کامیاب زندگی گزارنے کے قابل ہوسکیں۔ خاص طور پر خواتین کو تعلیم سے آراستہ کرنا از حد ضروری ہے تا کہ وہ بہتر انداز میں گھریلو زندگی گزار سکیں۔ تعلیم بالغاں کے فروغ کے دوران کچھ مسائل درپیش آسکتے ہیں کیوں کہ بالغ افراد کو تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرنا خاصا مشکل امر ہے۔ اکثر افراد کا پہلا اعتراض یہی ہو گا کہ ہماری پڑھنے کی عمر اب کہاں رہی ہے، ہمارے اوپر ذمہ داریاں بہت ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

تعلیم ،خواندگی اور تربیت:

تعلیم ایک ایسا زیور ہے جس سے انسان نکھرتا ہے بغیر تعلیم کے انسان جاہل ہی کہلاتا ہے۔ عام طور پر تعلیم کو سمجھتا ہی نہیں جاتا۔ خواندگی کو تعلیم قرار دے کر اس سے تربیت کو منسلک کر دیا جاتا ہے اور اسی میں اصلاح کے پہلو تلاش کیے جاتے ہیں۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ تربیت کا فقدان لوگوں کو برائی پر مائل کرتا ہے۔ تربیت پر تو سب ہی زور دیتے ہیں لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیسی تربیت اور کونسی تربیت ضروری ہے کہ جو کسی کو ایک اچھا انسان اور ایک اچھا شہری بنا دے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص اچھی تربیت کا حامل ہوتا ہے۔ تربیت تعلیم کا ایک مکمل جزو ہے۔ تربیت یافتہ نہ ہونے کا مطلب تعلیم یافتہ نہ ہونا ہے۔ ایک ایسا شخص جو بہت سی ڈگریوں کا حامل ہے مگر بات تمیز سے کرنا نہیں جانتا، خواندگی کے اعلیٰ معیار پر تو فائز ہے مگر تعلیم یافتہ ہرگز بھی نہیں۔ صرف طالبعلم کی تربیت ہی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے والے یعنی استاد کو بھی تربیت کی اشد ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ آنے والی نسل کی صحیح معنوں میں تربیت کر سکے۔

آج کل کا دور کمپیوٹر کا ہے مگر بنیادی تعلیم بہت ضروری ہے ہم جہاں انگریزی اور ماڈرن تعلیم پر زور دیتے ہیں وہاں دینی تعلیم اور اخلاقی تعلیم بھی ضروہے تعلیم حاصل کرلی مگر دینی اخلاقی تعلیم اور تربیت حاصل نہ کی تو ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جس کے پاس ڈگریاں تو ہوں مگر وہ اخلاقی اور دینی تربیت سے محروم ہو ۔آپ صرف وسطی ایشیائی ممالک کو لے لیں جہاں پر شرح خواندگی 99% ہے وہاں ہر دوسرا شخص پڑھا لکھا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اب آپ یہ بھی اندازہ لگا لیں کے قرآن اور حدیث میں کتنا زور دیا گیا ہے تعلیم پر۔ ہم اگر اپنے آپ سے وعدہ کریں کے تعلیم اور تربیت کے معاملے پر کوتاہی نہیں برتیں گے تو یقین کریں ہم بھی اپنی شرح خواندگی کو بہترین کر سکتے ہیں ۔

مغربی ممالک کی اقتصادی میدان میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ انہوں نے بیسویں صدی کے اوائل میں ہی ناخواندگی کا قلع قمع کر دیا۔ ان ممالک میں کھیتوں میں کام کرنے والے کسان اور کارخانوں میں کام کرنے والے کاریگر سب تعلیم یافتہ ہیں۔ اسی لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اسکول نہ جانے والے بچوں کو اسکول کے اندر لانے کی پالیسی اور نئے اسکولوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تربیت اور ان کے انتخاب کے حوالے سے بھی انقلابی اقدامات کیے جائیں تا کہ ملک میں خواندگی کی شرح میں تیزی سے اضافہ ہوسکے۔ آیئے ہم سب مل کر اپنی قوم و ملک سے ناخواندگی کو دور کرنے کے لیے جد و جہد کریں اور ملک وملت کی ترقی پر گامزن ہوں۔☆☆☆☆☆

اقوام کی بقا امنِ عالم میں مضمر ہے

اسلام کی بنیادی تعلیمات امن و صلح پر مبنی ہیں

فروغِ امن کے لئے علم و معرفت، عدل و انصاف مساوات اور مواخات کا مرکزی کردار ہے

ڈاکٹر شفاقت علی البغدادی الازہری

کائنات ہست و بود میں بڑی بڑی قومیں اور عظیم تہذیبیں منصۂ شہود پر مثل آفتاب ظہور پذیر ہوئیں اور مرور ایام کے ساتھ ترقی کے بام عروج پر پہنچیں، جب تک وہ اقوام وملل فطرت کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر امن اور اتفاق و اتحاد کے رشتہ میں پیوست رہیں تو قدرت نے بھی انہیں استوار اور قائم رکھا۔ لیکن جب انہوں نے قوانین فطرت سے اختلاف و انحراف کیا تو ذلت و رسوائی ان کا مقدر ٹھہرا یہاں تک کہ مختلف طرح کے انتشار و بگاڑ اور برائیوں میں مبتلا ہوگئیں۔

یاد رہے کہ یوں ہی چھوٹے درجات سے معاشرتی اور اخلاقی بگاڑ بڑھتے بڑھتے ایک ایسے ناسور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس کا منطقی نتیجہ اس قوم و تہذیب کے زوال وانحطاط کی شکل میں سامنے آتا ہے اور دنیا کے نقشہ سے ان کا نشان تک مٹ جاتا ہے۔ چنانچہ معاشرتی امن و بقاء اور استحکام الوہی قوانین پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے اورافراد معاشرہ کا پر امن رہنا قوانین الٰہیہ کے سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔

امن وہ اہم امر ہے جس کے بغیر نہ تو عالم انسانیت کے ارتقاء کا عمل جاری رہ سکتا ہے اور نہ ہی معاشرتی زندگی کی بقاء و سلامتی برقرار رہتی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ ہر انسانی جستجو اور تحقیق و ترقی کا راز امن و سلامتی اور سکون میں ہی مضمر ہے، اسی طرح انسانی معاشروں کی بقا اور ترقی میں کلیدی کردار امن و استحکام اور روزگار کے مواقعوں کا ہے۔ جس معاشرے کو ایسی نعمتیں مل جائیں اس کو گویا دنیا کی تمام نعمتیں مل گئی۔ نعمت ہدایت کے بعد دنیا کی کوئی نعمت ان دو نعمتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

اللہ تعالی نے سورہ النحل میں قوم سبا کی بستی کا ذکر کرتے انہی دو نعمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے نیز حضرت ابراہیم نے بھی مکہ کے لئے امن اور رزق کی دعا مانگی تھی۔ سورہ قصص میں بھی اللہ تعالی نے نعمت اور امن اور پھلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ(النحل ،112)

اور اللہ نے ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرمائی ہے جو (بڑے) امن اور اطمینان سے (آباد) تھی اس کا رزق اس کے (مکینوں کے) پاس ہر طرف سے بڑی وسعت و فراغت کے ساتھ آتا تھا پھر اس بستی (والوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے عذاب کا لباس پہنا دیا ان اعمال کے سبب سے جو وہ کرتے تھے۔

سورہ قصص میں بھی اللہ تعالی نے نعمت امن اور پھلوں کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ

أَرْضِنَا أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (القصص،57)

اور (قدر ناشناس) کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کی معیّت میں ہدایت کی پیروی کر لیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لئے جائیں گے۔ کیا ہم نے انہیں (اس) امن والے حرم (شہر مکہ جو آپ ہی کا وطن ہے) میں نہیں بسایا جہاں ہماری طرف سے رزق کے طور پر (دنیا کی ہر سمت سے) ہر جنس کے پھل پہنچائے جاتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے (کہ یہ سب کچھ کس کے صدقے سے ہو رہا ہے)

امن اور تشدد، دو متضاد انسانی رویوں کا نام ہے جو باقاعدہ تربیت کے ذریعے کسی بھی فرد کی شخصیت کا حصہ بنتی ہیں۔ دین اسلام امن کا درس دیتا ہے امن انسان کی مذہبی، اخلاقی انفرادی و اجتماعی بین الاقوامی زندگی میں اطمینان اور بے خوفی کا نام ہے۔ جبکہ امن کے متضاد خوف، فتنہ و فساد کے لفظ مستعمل ہوتے ہیں۔ لوگوں میں میں خوف و ہراس پھیلانے کی مذمت کرتے ہوئے نبی کریم نے فرمایا:

لا يحل لمسلم ان يروع مسلما. (سنن ابی داؤد، رقم:5004)

مسلمان کے لیے درست نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوفزادہ کرے۔

امن چونکہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے اسی میں انسانیت کا سکون وچین مضمر ہوتا ہے اس لئے اسلام نے اس حق کی خوب حفاظت کی ہے لیکن آج انسان ہی انسان کا دشمن بنا ہوا ہے دہشت سے خوفزدہ کرتا ہے جبکہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو خوفزدہ کرے بلا وجہ پریشان کرے۔

امن دینی اجتماعی سیاسی ثقافتی گھریلو معاشرتی معاشی ہر طرح سے ہونا ضروری ہے جب تک کسی معاشرے میں امن نہ ہوگا تب تک وہ معاشرہ ترقی کی منازل طے نہ کر سکے گا۔ زبوں حالی کا شکار ہی رہے گا اس کا حل ہمیں صرف نبی اکرم ﷺ کی سیرت میں ملتا ہے جن کا خلق خلق عظیم، جن کا اسوہ کامل، اور اسوہ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ امن کے پیامبر تھے مدینہ میں بسنے والا ہر شہری چاہے وہ جس مذہب سے تعلق رکھتا تھا، بچہ، بوڑھا، جوان، مرد و عورت حتی کہ غلام ہو یا لونڈی سب کے لیے حقوق مقرر فرمائے اور ہر فرد معاشرہ کے لیے امن کے قیام کو ناگزیر قرار دیا۔

حضرت علی بن ابی طالب کے گھر جب پہلا بیٹا پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام حرب تجویز کیا۔ عرب ایک جنگجو قوم تھے اور جنگی ناموں کو پسند کرتے تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے ان کا نام بدل کر حسن تجویز کیا اور فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کا نام حسن رکھو۔ اس سے آپ ﷺ کے امن پسند مزاج کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ تشدد پر نہیں بلکہ حسن اخلاق پر یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:

إن الله لم يبعثني معنتا ولا متعنتا، ولكن بعثني معلما ميسرا. (صحیح مسلم، رقم:3690)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی کرنے والا نہیں بلکہ مجھے آسانی سے سکھانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات بھی امن وصلح پر مبنی ہیں۔ قتل و غارت گری سب سے زیادہ معاشرے میں بدامنی کا سبب بننے والا عنصر ہے جس کی قرآن وسنت میں جابجا مذمت کی گئی ہے۔ اسلام ناحق قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں واضح طور پر انسانی جان کی حرمت مذکور ہے ارشاد باری تعالی ہے:

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ،32)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (نازل کی گئی تورات میں یہ حکم) لکھ دیا (تھا) کہ جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد انگیزی (کی سزا) کے بغیر (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

ایک پرسکون پر امن، چین اور خوشیوں سے بھرپور،

فلاحی اور اصلاحی معاشرے کی تشکیل کیلئے جن بنیادی عوامل کا ہونا انتہائی ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں:

علم ومعرفت	عدل و انصاف	مساوات
باہمی تعاون	ظلم و ناانصافی کے خلاف جدوجہد	

علم ومعرفت:

علم ومعرفت امن وسکون کے قیام کے لیے ایک اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ تعلیم کا مقصد انسانی طبائع میں جو تضاد ومنافرت بوجہ شخصی پائی جاتی ہے اس کو دور کرتے ہوئے انسانی ذہن کو اصل حقائق سے روشناس کروانا اور ایک ایسا ماحول تشکیل دینا ہوتا ہے جہاں مختلف الطبع لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہنے کا سلیقہ اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ڈھنگ سیکھ سکیں۔ قرآن کریم میں میں علم کو نور کہہ کر پکارا گیا ہے اور نور کو مختلف تہذیبی دائروں میں امن و سکون کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بھی لوگوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کرنا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں اللہ عزوجل نے جگہ جگہ آقا کریم ﷺ کی صفات محمودہ کا ذکر فرمایا وہاں آپ ﷺ کی بعثت مبارک کی غایت اولیٰ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ(البقرة،151)

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اَسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

علم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم، ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله وملائكته وأهل السماوات والأرض حتى النملة في جحرها وحتى الحوت ليصلون على معلمي الناس الخير(رواه الترمذی)

علم والوں کو دوسروں کے مقابلے میں ایسی ہی فضیلت حاصل ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔ یقیناً اللہ عزوجل، اس کے فرشتے اور آسمان و زمین والے حتی کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں تک لوگوں کے معلم کے لیے بھلائی کی دعا کرتی ہیں۔

یہ سوال کہ مچھلیاں معلم کے لیے کیوں بخشش کی دعا کرتی ہیں؟ تو اس سوال کا جواب سادہ لفظوں میں یہ ہے کہ علم کا نفع ہر چیز کو پہنچتا ہے یہاں تک کہ مچھلیوں کو بھی کیونکہ علم کی وجہ سے حلال وحرام کو جانتے ہیں اور وہ ذبح ہونے والے جانوروں اور مچھلیوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ علم ومعرفت کے ذریعے وہ معاشرے میں امن واستحکام کے قیام کا سبب بن جاتے ہیں۔

عدل و انصاف:

عدل و انصاف بھی امن وسکون کے قیام کے لیے ایک اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے عدل کے لغوی معنیٰ: برابر، سیدھا کرنا، توازن اور مناسب برقرار رکھنا، افراط وتفریط سے بچنا ہیں۔ ان کے علاوہ عربی میں عدل کے لئے بہت سی اصطلاحات مستعمل ہیں جن میں حاکم، عدل، نام شامل ہیں۔ گویا عدل کے معنیٰ ہیں سیدھا کرنا، اونچ نیچ کی تقسیم ختم کر دینا، باہم توازن قائم کر دینا اور برابر تقسیم کرنا اور افراط وتفریط کے ہر طرح کے وہم کو دور کر دینا۔

یعنی وضع الشئی فی محله کسی چیز کو اس کے کسی مقام پر رکھنا۔ اصطلاح میں افراط وتفریط سے بالا ہوکر حقدار تک اس کے حق کا پہنچانے کا نام عدل ہے۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ(النحل،90)

بے شک اللہ تعالی عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق ہے لاگ طریقے سے دیا جائے اردو زبان میں اس مفہوم کو لفظ انصاف سے ادا کیا جاتا ہے مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے اس سے خوامخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو گی اور پھر اس سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے تجھ لئے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے۔

بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک معاشرے میں برابری چاہتا ہے مثلا حقوق شہریت میں مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے مثلاً: والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اعلی درجہ کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجہ کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔

یعنی اسلام میں ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کا نام عدل ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے۔ یہ انسانی صفت ہے جو انسانی زندگی کی بنیاد ہے اور جس نے انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو اپنے احاطہ میں لیا ہوا ہے یہ ایک ایسی خوبی ہے جو ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے کے قابل بناتی ہے۔

مساوات:

مساوات بھی معاشرے میں امن وسکون کے قیام کے لیے ایک اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے مساوات کا مطلب ہے۔ برابری"سارے انسانوں کے حقوق برابر ہیں ، ان کا اپنا مقام ہے اور ان کے لیے یکساں مواقع فراہم ہیں، کوئی شخص اپنے خاندان، قبیلہ، وغیرہ کی وجہ سے الگ نہیں ہے بلکہ سارے لوگ ایک ہی ہیں، اسلام لوگوں کے درمیان ان کی نسل، رنگ، لباس، زبان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا، اگر فرق کرتا ہے تو بس ان کے تقوی اور پرہیزگاری کے اعتبار سے۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا-اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ(الحجرات،13)

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔

اسلام میں مساوات، نرم مزاجی اور خوش اخلاق پر بہت زور دیا گیا ہے، اسلام میں تمام انسان برابر کے شریک ہیں، گورے کو کالے پر یا کالے کو گورے پر، امیر کو غریب پر یا غریب کو امیر پر، نہ عرب کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عرب پر فوقیت حاصل ہے۔

خُطبہ الوداع میں انسانی عظمت و اقدار کے منافی تمام پہلوؤں کو منسوخ کر دیا گیا اور وہ تمام جاہلانہ رسمیں جو کہ قبل از اسلام انسانیت کے منافی تھیں سب کو موقوف کر دیا گیا اسی لیے یہ خطبہ مکمل طور پر انسانیت کے تحفظ کیلئے بہترین ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے، اور ایک اچھی زندگی گزارنے کیلئے ایک مکمل ضابطہ حیات اور انسانی عظمت کا منشور ہے۔

اس خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لوگو! سن لو، زمانہ جاہلیت کے تمام رسم و رواج آج میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ لوگو! تمہارا رب ایک تمہارا باپ آدم ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری

نہیں ہے، فضلیت کا معیار صرف تقوی ہے تم سب آدم کی اولاد ہو۔تم سب پر ایک دوسرے کا خون عزتیں اور مال حرام ہے خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ اک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

یہ خطبہ اسلام کے معاشرتی نظام کی راسخ بنیادیں فراہم کرتا ہے، معاشرتی مساوات نسلی افتخار و مباہات کا خاتمہ عورتوں اور غلاموں کے حقوق غلاموں سے حُسنِ سلوک ایک دوسرے کے جان و مال کا احترام سکھاتا ہے یہی وہ باتیں ہیں جوکہ اسلام کے نظام امن کی بنیادیں ہیں۔

باہمی تعاون :

باہمی تعاون بھی امن وسکون کے قیام کے لیے کلیدی کردار کا حامل ہے کیونکہ انسان ہمیشہ سے مدنی الطبع رہا ہے اور اپنی فطرت میں پیدائش سے لے کر موت تک جماعتی زندگی کا محتاج ہے۔ معاشرے کا ہر فرد دوسرے فرد کی زندگی پر اثر انداز بھی ہوتا ہے اور ان سے متاثر بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے امداد باہمی کا ایک بہترین تصور دیا ہے دیتے ہوئے فرمایا۔

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ(المائدة،02)

نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالی سخت سزا دینے والا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ وَيُؤْلَفُ ، وَلا خَيْرَ فِيمَنْ لا يَأْلَفُ وَلا يُؤْلَفُ وَخَيْرُ النَّاسِ أَنفعُهُمْ لِلنَّاس (شعب الإيمان للبيهقى رقم7896)

مومن الفت کرتا بھی ہے اور لوگ اس سے الفت رکھتے بھی ہیں اور اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو الفت نہیں رکھتا اور نہ لوگ اس سے الفت رکھتے ہیں اور لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کے لئے نفع مند ہو۔

لوگوں کو نفع پہنچانا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس وجہ سے وہ لوگ جو دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں وہ "خیر الناس" ہیں۔ ایک اور روایت میں ان لوگوں کو بہتر اور خیر کہا گیا جس سے لوگ خیر کی امید کریں اور شر سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ سرکار دو عالمﷺ ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سے اچھے کون ہیں اور برے کون ہیں؟ "لوگ خاموش رہے۔ آپﷺ نے ان سے تین مرتبہ یہی فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! بتلایئے! آپ نے فرمایا:

خیرکم من یرجیٰ خیرہ، ویؤمن شرہ، وشرکم من یرجیٰ خیرہ ولا یؤمن شرہ۔ (ترمذی: 2263، مسند احمد:2/378)

"تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید رکھیں اور شر سے محفوظ رہیں، اورتم میں برے لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید تو رکھیں مگر شر سے محفوظ نہ ہوں۔"

باہمی تعاون کے تعلق سے اسلام یہ اصول پیش کرتا ہے کہ تعاون ہمیشہ اچھائی، بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ہو۔ ظلم و زیادتی، فتنہ وفساد اور معاشرے میں فساد کے اسباب بننے والے کاموں میں کبھی بھی تعاون نہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باہمی تعاون صالح معاشرہ کی تشکیل اور قیام امن و سلامتی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ظلم و ناانصافی کے خلاف جدوجہد :

معاشرے میں قیام امن کے لیے ضروری ہے کہ ظلم و جبر کے خلاف ہمیشہ جدو جہد کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر و اسلاف نے اس مقصد کے لیے لازوال قربانیاں دی ہیں۔ اور اسلامی تاریخ کے وسیع دور میں ایک لمحہ کا بھی ایسا وقت موجود نہیں ہے جب ہمارے اسلاف میں سے کسی نہ کسی

نے ظلم و جبر کے خلاف کلمہ حق نہ بلند کیا ہو۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جیل میں زہر کا پیالہ پی کر جام شہادت نوش کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ کی پشت پر روزانہ کوڑے برستے رہے۔ امام شمس الائمہ سرخیؒ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں حضرت مجدد الفؒ ثانی نے قلعہ گوالیار کو اپنی نظر بندی سے روشنی بخشی۔

قربانیوں کا یہ لامتناہی سلسلہ صرف ایک بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظلم و جبر کے خلاف جنگ کو ہمارے اسلاف نے زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھا ہے اسی لیے سب سے زیادہ قربانیاں اسی مقصد کے لیے پیش کیں۔ ظلم و جبر کا کوئی دور ہو، مسلمان حکمران ظلم کی لاٹھی لہرا رہے ہوں یا کافروں کی حکومت ہو، ہمارے بزرگوں نے ظلم کو قبول نہیں کیا، برداشت نہیں کیا اور ہر ممکن طریقہ سے ظلم و جبر کے خلاف جنگ کے شعلے بھڑکاتے رہے۔ جب تک ظلم و جبر کے نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا نہیں جاتا، دنیا میں میں امن ایک خواب رہے گا، وہ خواب جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔

جس طرح عدل و انصاف رحم و کرم، عفو و درگزر اور احسان و سلوک سے جس طرح انسان سنورتا ہے، معاشرہ سرسبز ہوتا ہے، دنیا شاد و آباد ہوتی ہے، اسی طرح ظلم سے انسانی فطرت مسخ ہو جاتی ہے، اس کی درندگی سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اور دنیا ویران ہو جاتی ہے اس لئے قرآن کریم میں جتنی عدل و احسان کی توصیف و قیام عدل کی تاکید ہے، اس سے زیادہ ظلم کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں فرمایا گیا:

وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ (الانفال،54)

اور ہم نے فرعون والوں کو (دریا میں) غرق کر دیا اور وہ سب کے سب ظالم تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لئے مزید وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ظالموں پر تو خدا کی پھٹکار ہے یعنی یہ واضح کر دیا کہ ظالم لوگ خدا کی رحمت سے محروم رہیں گے۔

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (ھود،18)

جان لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

لوگوں کو نفع پہنچانا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس وجہ سے وہ لوگ جو دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں وہ "خیر الناس" ہیں۔ ایک اور روایت میں ان لوگوں کو بہتر اور خیر کہا گیا جس سے لوگ خیر کی امید کریں اور شر سے محفوظ رہیں

فروغ امن کے لیے اس وقت دنیا میں مختلف تحریکیں کردار ادا کر رہی ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں تحریک منہاج القرآن دیگر امور کی طرح اس معاملے میں بھی صف اول میں کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ ایک وقت تک تھا جب پوری دنیا کو دہشت گردی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا تو قائد تحریک ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنی جان کہ پرواہ نہ کرتے ہوئے دہشت گردی کے خلاف 600 صفحات پر مشتمل فتویٰ لکھ کر اس فکر کو فروغ دینے والے عوامل کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اس وقت بانی تحریک کا مشن، پوری دنیا میں امن و امان کو عام کرنا اور دین اسلام کو غلبہ دلانے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک کے لاکھوں وابستگان اور رفقاء نے ہمیشہ آپس میں امن و محبت اور بھائی چارے کو فروغ دیا ہے اور قائد تحریک کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر تفرقہ پرستی اور فرقہ بازی کے خلاف ہمیشہ عمل بغاوت بلند کیا۔ حضور شیخ الاسلام نے عالمی سطح پر نہ صرف اسلام پر لگے دہشت گردی الزام کو رد کیا بلکہ ثابت کیا کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کی بنیادی تعلیمات امن و سلامتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اللہ تعالیٰ اس مقصد کے حصول لیے حضور شیخ الاسلام اور ان کی جملہ کاوشوں کو قبول فرمائے اور دین اسلام کو سربلندی و غلبہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

☆☆☆☆☆

قائداعظمؒ کو اسلامی تعلیمات سے گہرا لگاؤ تھا

قائداعظم قرآن حکیم کو اپنا آخری اور قطعی رہبر قرار دیتے تھے

قائد نے فرمایا! میرا ایمان ہے قرآن مجید میں معیشت اور اخلاقیات کے دائمی قواعد موجود ہیں

آمنہ خالد

تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ تاریخ انسانی میں بہت سے ایسے عظیم لیڈر گزرے ہیں جن کے مخلصانہ اور مدبرانہ کارنامے اپنی انفرادیت اور تنوع کے اعتبار سے دنیا بھر میں رشک کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ جو اس دنیا فانی سے پردہ کر جانے کے باوجود امر ہو جاتے ہیں اور ان کا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ و تابندہ ہو جاتا ہے۔ جو جہدِ مسلسل کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بناتے اور دوسروں کی خاطر جینے کو جینا قرار دیتے ہیں۔ جو خود زمانے کی تلخیاں اور سختیاں برداشت کر کے دوسروں کو آرام پہنچانے کو حقیقی زندگی شمار کرتے ہیں۔ بلاشبہ پاکستان کے بانی قائدِ اعظم کا شمار بھی ایسے ہی عظیم لیڈروں میں ہوتا ہے۔

قائدِ اعظم اپنے افکار و نظریات، بلندی کردار اور کارناموں کے اعتبار سے ایک بھرپور تاریخ بھی ہیں اور نشانِ منزل بھی۔ آپ نے خداداد صلاحیت و بصیرت اور سیاسی جد و جہد سے عظیم مفکر علامہ اقبال کے تصورِ پاکستان کے خاکے میں حقیقت کا رنگ بھرا۔ آپ نے اپنے خونِ جگر اور خونِ تمنا سے ناممکن کو ممکن بنانے اور شبِ غلامی کو سحر آزادی میں بدلنے کی دن رات سعی کی۔ جس کے نتیجے میں ایک اسلامی مملکت وجود میں آئی جسے دنیا پاکستان کے نام سے جانتی ہے۔

قائدِ اعظم ملتِ اسلامیہ کے درد سے معمور ایسے سچے اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے جن میں مصور پاکستان علامہ اقبال کے مردِ مومن کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ نے نہ صرف حصول پاکستان کی جد و جہد میں اسلامیان ہند کی رہنمائی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کی بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی تمام امور میں اسلامی تعلیمات کو پیشِ نظر رکھا۔ آپ کی سحر انگیز شخصیت ہمہ جہت خوبیوں کا مرقع ہے۔ جس کا ہر ہر پہلو روشن و تابناک ہے تاہم زیرِ نظر تحریر میں آپ کے روحانی پہلو پر اختصاراً روشنی ڈالی جائے گی تاکہ آپ کی اسلامی زندگی موجودہ پاکستانی عہدیداران کے لیے مشعلِ راہ بنے۔

قائدِ اعظم کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے گہرا لگاؤ تھا۔ اسلام سے متعلقہ آپ کے جذبات و احساسات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے ہر مقام پر تعلیماتِ اسلام سے اپنی محبت کو واضح کیا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی حیات و خدمات کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز خدا اور رسول اللہ ﷺ کے نام پر کیا اور اول و آخر اپنی عمومی و سیاسی زندگی میں آئین آسمانی اور حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں اسلامیان ہند کی راہنمائی کی۔ حیات قائد کا ایک قابل قدر گوشہ جذبہ عشق رسول ﷺ ہے۔ ذات رسالت مآب ﷺ کے ساتھ انہیں جو والہانہ عقیدت تھی اس کا اظہار ان کے اقوال و کردار سے بخوبی ہوتا ہے۔ بلاشبہ محبت رسول ﷺ ہر مسلمان کے ایمان کا جزو لانیفک ہے۔ اہل اسلام کے لئے

نبی رحمتﷺ کی ہستی کا مرکز جاذبیت ہونا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کا اقرار غیر مسلم مورخ ہملٹن گب نے بھی بخوبی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

محمدﷺ کے متعلق اہل اسلام کا جوش ارادت اور جذبہ عقیدت اس حد تک مستحکم ہے کہ اس میں مبالغہ کی گنجائش نہیں رہی۔ عہد رسالت اور زمانہ مابعد دونوں میں رسولﷺ کی عظمت کا احساس اور تعظیم کا جذبہ امر لازم تھا لیکن یہ احترام و توقیر سے کوئی بالا ترشے ہے۔ محمدﷺ نے اپنے اصحاب کے دل میں اپنی ذات کے لئے جو جذبہ محبت وتحسین پیدا کیا تھا۔ وہ صدیاں گزرجانے کے بعد بھی آج تک فضائے ہستی میں گونج رہا ہے۔

اہل اسلام نبی آخر الزماںﷺ کے اسم گرامی محمدﷺ کو اپنے نام کا جزو اول یا جزو آخر بناتے ہیں، تاکہ اس نام کے ارتباط سے اپنی شخصیت کو محمل برکات اور اور اپنی زندگی کو مہد سعادت بنائیں۔ قائد اعظم بھی ان خوش قسمت اہل اسلام میں سے ہیں کہ والدین نے محبت رسولﷺ کو ان کے نام کا حصہ بنادیاا ور ان کا نام محمد علی رکھا۔ ان کی زندگی کی ابتداء او ر شعور کا ارتقاء اسی نام محمدﷺ کی گونج سنتے اور سمجھتے ہوا۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ ابھی ننھے بچے تھے، ابھی سکول نہیں جاتے تھے اوردوسرے بچوں کی طرح گلیوں، محلوں میں کھیلا کرتے تھے۔ جہاں وہ کھیلنے جایا کرتے تھے، اس کے قریب ایک مسجد تھی جہاں پانچ وقت اذان ہوتی تھی۔ محمد علی جناحؒ اسے بغور سنتے اور ایک روز گھر آ کر اپنی والدہ سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں ہر روز بڑے غور سے اذان میں اپنا نام سنتا ہوں، ماں نے ننھے بیٹے کو گلے لگایا اور کہا بیٹا یہ آپ کا نام نہیں لیا جاتا، یہ نام نامی ہمارے پیغمبر اسلام کا ہے۔ حضرت محمدﷺ اللہ کے محبوب رسول ہیں۔اور اللہ نے انہیں لوگوں کی رہنمائی ،تعلیم وتربیت اور آگاہی کے لئے بھیجا تھا وہ لوگوں کو توحید کا درس دیتے تھے۔تمہارا نام آپﷺ کے نام محمد کی نسبت سے رکھا گیا ہے۔ یہی وہ سبق تھا، جوان کے لاشعور سے ان کے قلب میں داخل ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح نہایت خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتے تھے۔مولوی شبیر علی بیان کرتے ہیں۔

میرے ایک محترم دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ ان سے مولانا حسرت موہانی صاحب نے بیان کیا کہ میں ایک روز جناح صاحب کی کوٹھی پر صبح ہی صبح ایک نہایت ضروری کام سے پہنچا اور ملازم سے میں نے اطلاع کرنے کو کہا۔ ملازم نے کہا کہ اس وقت ہم کو اندر جانے کی اجازت نہیں، آپ تشریف رکھیں۔ تھوڑی دیر میں جناب صاحب خود تشریف لائیں گے کیونکہ مجھے نہایت ضروری کام تھا اور میں اس کو جلد سے جلد جناح صاحب سے کہنا چاہتا تھا اس لیے مجھے ملازم پر غصہ آیا اور میں خود کمرہ میں چلا گیا ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں، دوسرے کمرے سے تیسرے میں پہنچا تو برابر کمرے سے مجھے کسی کے بہت ہی بلک بلک کر رونے کی آواز آئی اور کچھ کہنے کی آواز آئی، آواز چونکہ جناح صاحب کی تھی اس لیے میں گھبرا گیا۔ اور آہستہ سے پردہ اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جناح صاحب سجدے میں پڑے ہیں اور بہت ہی بے قراری کے ساتھ کچھ مانگ رہے ہیں۔ میں دبے پاؤں واپس آ گیا۔ اور اب تو بھائی جب میں جاتا ہوں اور ملازم کہتا ہے کہ اندر ہیں تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ سجدے میں پڑے ہوئے دعا کر رہے ہوں ہیں، میرے تصور میں ہر وقت وہی منظراور وہی آواز رہتی ہے۔

مولانا سیف الاسلام بھی اپنی چشم دیدی رپورٹ میں اسی قسم کا واقعہ لکھتے ہیں۔

قائداعظم رات کے دو بجے اٹھ کرنماز پڑھتے ہیں اور بہت دیر تک سجدے میں روتے ہیں اور بہت گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں۔

قائدِ اعظم قرآنِ حکیم کو اپنا آخری اور قطعی رہبر سمجھتے تھے۔ آپ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی آیتوں پر غور وفکر کرنا اور ان پرعمل کرنا ایک سچے اور پکے عاشق رسول کی علامت ہے۔ آپ کی قرآن حکیم سے گہری دلچسپی اور قرآن فہمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قائد اعظم نہ صرف قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے بلکہ اس کی ایک ایک

آیت پر غور وفکر بھی کرتے تھے۔ بادشاہی مسجد کے سابق خطیب مولانا غلام مرشد ایک ذاتی واقعہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں ۔

ان کے سامنے میز پر قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کا نسخہ رکھا تھا، اسے ہاتھ میں لے کر فرمایا:

"میرا ایمان ہے کہ اس کتابِ عظیم میں دنیا اور آخرت کی زندگیوں کے متعلق مکمل ضابطے اور آئین موجود ہیں۔ تمدنی معاشی اور اخلاقی انمٹ اور دائمی قواعد موجود ہیں۔"

عبدالرشید بٹلر کی زبانی ایک ایمان افروز واقعہ سنئے۔۔

قائداعظم گورنر ہاؤس پشاور میں آئے تو رات دو بجے میں نے انہیں کافی پیش کی۔ اس وقت سردار عبدالرب نشتر بابائے قوم سے ملاقات کے لئے گورنر ہاؤس میں موجود تھے۔ ملاقات کرکے کوئی اڑھائی بجے کہ لگ بھگ چلے گئے کہ سکیورٹی والوں نے مجھے طلب کرلیا کیونکہ قائداعظم کے کمرے میں اس شب جانے والا آخری سرکاری اہلکار میں تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت کہیں کوئی شخص تو نظر نہیں آیا کیونکہ جس میں قائداعظم ٹھہرے تھے۔ اس سے ٹھک ٹھک کی آوازیں آ رہی تھیں، یہ آواز ایک ردھم سے آتی اور پھر وقفہ آ جاتا، وقفہ کے بعد دوبارہ اسی ردھم سے یہ آواز آتی۔ چونکہ سرحد میں (خان عبدالغفار خان سرحدی گاندھی کی جماعت کے) سرخ پوشوں کا زور تھا۔ سکیورٹی والوں کو خدشہ ہوا کہ قائداعظم پر کوئی حملہ نہ کیا جا رہا ہو۔ ان کے دروازے پر کسی کو دستک دینے کی جرات نہ تھی۔ چنانچہ مجھے ایک روشن دان سے جھانک کر قائداعظم کے بارے میں معلوم کرنے کا فرض سونپا گیا میں نے جونہی روشندان سے اندر جھانکا کا تو دیکھا قائداعظم فرش پر چل رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے یہ بات میرے لئے تشویش کا باعث بنی اور میں اسکی وجہ معلوم کرنے کے لئے روشن دان سے اندر جھانکتا رہا۔ لکڑی کے فرش پر چلنے کی وجہ سے قائداعظم کے جوتوں کی آواز ٹھک ٹھک پیدا کر رہی تھی اور جب آواز رک جاتی تو وہ کمرے میں موجود انگیٹھی پر اپنی دونوں کہنیاں رکھ کر کچھ پڑھتے اور پھر ٹہل ٹہل کر اس پر غور کرتے اور روتے۔ میں نے یہ بات سیکورٹی والوں کو بتا دی، جنہوں نے بتایا کہ بابائے قوم کے کمرے میں انگریزی زبان کے ترجمے والا قرآن مجید کا نسخہ رکھا ہوا ہے۔ اس پر میں سمجھ گیا کہ قائداعظم ایک یا دو آیت شریف پڑھ کر ان کا ترجمہ پڑھنے کے بعد کمرے میں گھوم گھوم کر ان پر غور کرتے اور معانی ومطالب ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا موجب ہیں ۔

اس حقیقت کا اظہار قائداعظم نے رانا نصر اللہ خان سے کیا:

"میں نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کئی بار پڑھا ہے مجھے اس کی سورتوں سے بہت تقویت ملتی ہے۔ مثلاً وہ چھوٹی سورۃ (الم ترکیف فعل ربک) ہے، جس میں ابابیل کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح کے الفاظ کے بڑے لشکر کو ابابیلوں کے ذریعے شکست دی اسی طرح ہم لوگوں کے ذریعے انشاء اللہ کفار کی قوتوں کو شکست ہوگی۔ "

اس واقعہ کے راوی نصراللہ خان کہتے ہیں کہ قائداعظم اس سورۃ کو ذوق وشوق سے سنتے تھے اور اپنی بات چیت اور تقریروں میں اکثر "انشاء اللہ" اور "اگر اللہ کو منظور ہوا" جیسے فقرے استعمال کرتے تھے۔

قائداعظم نے اکثر اپنی تقاریر میں اپنے پیارے محبوب کی پیاری کتاب قرآن کریم کے حوالے دیئے ہیں۔ مثلاً 1943 میں کراچی مسلم لیگ کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"وہ کون سا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہے، وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت استوار ہے، وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔ وہ رشتہ، وہ چٹان ، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے۔"

اسی طرح مسلمان قوم کو اپنے پیام عید 1945 میں فرمایا:

"جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے۔ مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، اور قانونی ضابطہ حیات جو مذہبی تقریبات سے لے کر روزمرہ زندگی کے معاملات تک،

روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، تمام افراد سے لے کر ایک فرد کے حقوق تک، اخلاق سے لے کر جرم تک، اس دنیا میں سزا و جزا سے لے کر اگلی دنیا میں سزا اور جزا تک کی حد بندی کرتا ہے۔"

قائدِ اعظم کی زندگی کا ایک اہم اور قابلِ قدر گوشہ جذبہ عشقِ رسول ﷺ ہے۔ آپ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے جذبہ عشق نے قدم قدم پر آپ کی رہنمائی کی۔

آپ کی زندگی میں حبِ مصطفیٰ ﷺ کا شعوری اظہار تب ہوا جب محمد علی جناح تعلیم کے لئے انگلستان جاتے ہیں اور وہاں جا کر قانون کی ڈگری کے حصول کا عزم کرتے ہیں تو داخلہ لینے کے لئے وہاں کی قانون کی درسگاہوں میں جا کر ان کے قواعد و ضوابط اور طریقہ تدریس جاننے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں تاکہ بہترین درسگاہ کا انتخاب ہو سکے۔ انہی معلوماتی دودوں کے دوران وہ ایک روز لنکن ان پہنچتے ہیں اور اس کے بیرونی دروازے پر جو عبارت درج ہے اسے پڑھنے لگے۔ یہاں دنیا بھر کے قدیم مقنّنین کے نام کندہ تھے اس فہرست میں سب سے اوپر حضرت محمد ﷺ کا نام دیکھ کر انہوں نے وہاں داخلہ لے لیا۔ جی الانہ نے اپنی کتاب میں رقم کیا ہے کہ 1947 میں قیام پاکستان سے قبل کراچی بار ایسوسی ایشن کے سپاسنامے کے جواب میں انہوں نے اس امر کی وضاحت کی تھی کہ انہوں نے قانون کی تعلیم کے لئے کسی دوسرے ادارے کی بجائے لنکن ان میں داخلہ کیوں لیا تھا؟ انہوں نے فرمایا تھا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرے دل میں رسول اکرم ﷺ کی، جن کا شمار دنیا کے عظیم ترین مدبروں میں بھی سب سے بلند و بالا ہے، بہت عزت تھی۔ ایک دن اتفاقاً میں لنکن ان گیا اور میں نے اس کے دروازے پر پیغمبر اسلام کا اسم مبارک کندہ دیکھا میں نے لنکن ان میں داخلہ لے لیا، کیونکہ اس کے دروازے پر کندہ دنیا کے عظیم قانون سازوں کی فہرست میں سب سے اوپر آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک بھی شامل تھا۔

اکثر اوقات قائداعظم فرماتے تھے کہ "جب ایک مسلمان اپنے نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالی سے رحمت طلب نہیں کرتا تو اللہ تعالی اس بندے پر کیسے رحمت نازل کر سکتا ہے۔"

اپنی اپنی دن رات مشغول زندگی کے معمول میں سے روزانہ وقت نکال کر درود شریف کثرت سے پڑھتے رہتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اس کے بغیر وہ یہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ واقعہ محمد علی جناحؒ کے ذاتی رجحانات، دینی عقاید اور پیغمبر اسلام ﷺ سے ان کی والہانہ عقیدت کا عکس ہے۔ ان کے کردار میں یہ رنگ نظر آتا ہے، وہ با کردار، سچے، کھرے اور مخلوق خدا سے محبت کرنے والے رہنما تھے۔ نواب بہادر یار جنگ 1934ء میں عید میلاد النبی ﷺ کے ایک جلسہ میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ سے اپنی پہلی ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دوران جلسہ قائداعظم محمد علی جناحؒ جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ میں چونکہ ان سے واقف نہیں تھا، اس لئے میں نے جلسہ کے منتظم اور سیکرٹری سیٹھ ذکریا منیار سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ ہیں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح، جو کبھی آل انڈیا نیشنل کانگرس کے روح رواں تھے، ہندوستانی قومیت کے علمبردار تھے، مخلوط انتخاب کے حامی تھے۔ انگلستان کے مشہور بیرسٹر تھے اور آج مسلمانوں کی آنکھ کا تارا، ہندوستان کی ملت اسلامیہ کا سہارا، کانگرس کے فاتح اور مسلم لیگ کے علمبردار ہیں۔ جنہوں نے مسلمانوں کو **واعتصموا بحبل الله جميعا و لاتفرقوا** کا سبق ایک مرتبہ پھر پڑھانے کا عزم کر لیا ہے اور سب کی غلامی سے چھوٹ کر محمد رسول ﷺ کے آستانے سے وابستہ ہو گئے ہیں۔

اسی جلسہ کے ضمن میں نواب بہادر یار جنگ قائد اعظم کی تقریر کا تذکرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ خطبہ صدرات ختم ہوا اور تکبیر کے نعروں میں محمد ﷺ اور علیؓ کے ناموں سے نسبت رکھنے والا، عقل و دل کے جناحین پر خود بھی عرش کی سیر کرنے لگا اور اپنے سامعین کو بھی فرش سے بلند کرنے لگا۔ تقریر مختصر تھی جس کے ابتدائی جملے میرے لئے سند تھے اور آخری حصہ قانون محمدی ﷺ کا دنیا کے دیگر مشہور قوانین خصوصاً رومن لاء سے تقابلی مطالعہ تھا۔ موجودہ قوانین کا ایک

عالم متجر جس کی زندگی رومن لا کی ذریات کو اپنی آغوش میں پرورش کرتے ہوئے گزری، جب محمدیﷺ قانون کے گوشے کھولنے لگا تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تعلیم مغرب کے شیدائیوں نے حسن محمدیﷺ کے کیسے کیسے جلوے دیکھے ہوں گے۔

تحریک پاکستان کے رہنما مولانا شبیر احمد عثمانی نے قائد اعظمؒ کو اورنگ زیب عالم گیر کے بعد دوسرا بڑا مسلمان قرار دیا تھا۔

اگست 1943ء میں بہادر یار جنگ نے خان بہادر بخشی مصطفیٰ علی خان کے ہاتھ ایک خط قائد اعظم کو روانہ کیا، اس خط میں انہوں نے لکھا کہ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری کسی گروہ سے تعلق نہیں رکھتے وہ صرف مذہبی تشخص تبلیغ اسلام پر نظر رکھے ہوئے ہیں، مجھے بھی ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ مسلمانوں کے لئے کام کر رہے ہیں اسی وجہ سے آپ کو قدر شناس پایا، آپ کے لئے ایک خط اور کچھ تحائف ارسال کئے ہیں، ان تحائف میں قرآن شریف کا ایک قلمی نسخہ ہے، یہ قرآن شریف یمن میں تیار ہوئے کپڑے پر مدینہ منورہ میں لکھا گیا ہے۔ یہ کپڑا حضورﷺ کو بہت پیارا تھا۔

نواب بہادر یار جنگ کا یہ خط حضرت پیر سید جماعت علی شاہ کا خاص مکتوب اور تحائف جن میں قرآن شریف کا قلمی نسخہ، جائے نماز اور ایک تسبیح اور آب زم زم کی بوتل لے کر جب (مرحوم) بخشی مصطفیٰ علی خان ڈی ایس پی بنگور ربمبئ پہنچے تو ان دنوں قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا۔ آپ کچھ علیل بھی تھے کسی سے ملاقات نہیں کرتے تھے مگر محترمہ فاطمہ جناح نے یہ سب امانتیں لے لیں اور قائد اعظم کو پہنچا دیں۔

اگست 1943ء کو قائد اعظمؒ نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کو خط لکھا، جس کا مضمون کچھ اس طرح سے ہے، جب آپ جیسے بزرگوں کی دعائیں میرے ساتھ شامل حال ہوں تو میں اپنے مقصد میں اپنے آپ کو ابھی سے کامیاب تصور کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھوں گا۔ میں نے انگریزی ترجمہ منگوا لیا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھوں گا اور تسبیح بھی، جو آپ نے ارسال کی ہے۔ جو شخص اپنے پیغمبرﷺ پر درود شریف (اللہ کی رحمت) طلب نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہوسکتی ہے؟

قائد اعظم کی حضورﷺ سے محبت کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ 5فروری 1945ء کو رسول اکرمﷺ کے یوم ولادت کے موقع پر مسلم ویوز (Muslim Views) سری لنکا کولمبو (سری لنکا) کے نام قائد کے پیغام کا متن: رسول اکرمﷺ کے یوم پیدائش کے موقع پر آپ نے مجھ سے پیغام مانگا ہے۔ آج میں آپ کو اس کے سوا اور کوئی پیغام نہیں دے سکتا کہ اسلام کی بہترین روایات اور دین جو ہم تک رسول اکرمﷺ کے ذریعے پہنچیں، دنیا بھر کے مسلمان کو اسکے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اسلام جمہوریت، امن اور انصاف قائم کرنے کے لئے دنیا میں آیا تاکہ مجبوروں اور پسے ہوئے لوگوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ وہ نوع انسان تک امیر اور غریب ادنیٰ اور اعلیٰ کے درمیان مساوات کا پیغام لے کر آئے۔ رسول اکرمﷺ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس نصب العین کی خاطر جدوجہد میں گزارا۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہیں بھی ہو وہ اس عظیم نصب العین اور اسلام کی شاندار روایات کو قائم رکھے۔ بنی آدم میں مساوات کے لئے جدوجہد، انسان کے جائز حقوق کے حصول اور جمہوریت کے قیام کے لئے انتہائی کوشش کرے؟ ہم ہندوستان کے باسی پاکستان کو اپنا جائز مطالبہ اور فطری حق سمجھتے ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ جمہوری اصولوں اور انصاف سے ہم آہنگ ہے۔ اس لئے اس کے حصول کے لئے اٹل ہیں۔ اِن شاء اللہ فتح ہماری ہوگی۔

17اگست 1944ء کو عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے شعبہ اردو کے لیکچرار محمد اعظم نے قائد اعظم کے نام ایک خط میں لکھا کہ انہوں نے تھامس کار لائل کی کتاب ہیروز اینڈ ہیرورشپ کے دوسرے باب کا اردو ترجمہ کیا تھا اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ اس کا پیش لفظ آپ تحریر فرما دیں۔ قائد اعظمؒ نے 26اگست کو جواب میں یہ لکھا کہ

میرے لئے یہ بات واقعتاً باعث مسرت ہے کہ آپ کارلائل کی کتاب ہیروز اینڈ ہیرورشپ کے اردو ترجمے کا

دوسرا ایڈیشن شائع کر رہے ہیں۔ کارلائل کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی میں نے انگلستان میں اپنے زمانہ طالب علمی میں انگریزی میں پڑھا تھا اور جب سے ہی میں "Sage of Chelsea" کا بے حد مداح اور معترف ہوں۔ اس (کار لائل) نے ہمارے عظیم پیغمبرﷺ کی حیات طیبہ، کردار اور سوانح کی غیر جانبدارانہ تصویر کشی کر کے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ تمام دنیا کی بڑی خدمت کی ہے۔

جنوری1948ء میں قائداعظم محمد علی جناحؒ پاکستان کے گورنر جنرل تھے۔ بہت ہی مصروفیت کا عالم تھا۔ کئی غیر ملکی وفود آپ سے ملاقات کے منتظر رہتے تھے۔ کئی ایک سے تبادلہ خیال کرنا ہوتا تھا ان مصروفیات کے باوجود کراچی بار ایسوسی ایشن کے ایک جلسہ سے خطاب کی دعوت ملی، اگر کوئی جلسہ عام ہوتا تو سو بہانے کیے جا سکتے تھے، مگر یہ جلسہ عید میلاد النبیﷺ کے موقع پر تھا اور پھر پاکستان کے قانون دان کی طرف سے دنیا کے عظیم قانون دان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے منعقد کیا جا رہا تھا۔ قائداعظمؒ بھلا کیسے انکار کر سکتے تھے، کیونکہ ایک قانون دان کو اس کی برادری نے ایک عظیم قانون ساز کے کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا تھا۔ آپ اس جلسہ میں حاضر ہوئے اور خطاب کرتے ہوئے 25 جنوری 1948ء کو فرمایا کہ: آج ہم دنیا کی عظیم ترین ہستی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ کی عزت و تکریم کروڑوں انسان ہی نہیں کرتے بلکہ دنیا کی تمام عظیم شخصیتیں آپ کے سامنے سر جھکاتی ہیں۔ میں ایک عاجز ترین انسان خاکسار بندہ ناچیز اتنی عظیم ہستی کو بھلا کیا اور کیسے نذرانہ عقیدت پیش کر سکتا ہوں۔ رسول کریمﷺ عظیم مصلح تھے۔ عظیم رہنما تھے۔ عظیم قانون ساز تھے۔ عظیم سیاست دان اور عظیم حکمران تھے۔ میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی قابل اطلاق ہیں، جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں۔ یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی ڈر خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے۔ ہمارے رسولﷺ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ آپ نے جس چیز میں ہاتھ ڈالا کامیابی نے آپ کے قدم چومے، تجارت سے لے کر حکمرانی تک ہر شعبہ حیات میں آپ مکمل طور پر کامیاب رہے۔ رسالت مآبﷺ پوری دنیا کی عظیم ترین ہستی تھے۔ تیرہ سو سال قبل آپ نے جمہوریت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اسلام محض رسوم، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس کے مطابق وہ اپنی روز مرہ زندگی اپنے افعال واعمال اور حتیٰ کہ سیاست اور معاشیات اور دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔

کتاب خالد سراج صفحہ 110۔

فروری1948ء کو آسٹریلیا کے باشندوں کے نام ایک نشری پیغام میں قائداعظم نے فرمایا کہ پاکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم حضرت محمد مصطفیٰﷺ کی تعلیمات کے پیروکار ہیں اور اسلامی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں حقوق شرف و احترام اور تکریم ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہیں۔ اسی بنا پر ہم میں اخوت اور وحدت کا بڑا گہرا جذبہ موجود ہے۔ ہماری اپنی تاریخ اور اپنی رسوم و روایات ہیں، ہم ایک مربوط فکر، نقطہ نگاہ اور احساس دروں سے سرشار ہیں اور یہی وہ عوامل ہیں، جو قومیت کی تشکیل کی بنیاد بنتے ہیں۔

قائداعظم، رسول اللہﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے رہے۔ آپ نے اپنی اکثر زندگی انگلستان میں گزاری۔ جہاں ہر قسم کی آلائشیں سے موجود تھیں۔ لیکن ایک سچے غلامی رسول پھول کی طرح آپ اسوہ رسول کریم پر چلتے ہوئے کبھی جھوٹ، فریب یا منکرات میں نہ پڑے۔ آپ کی راست بازی اور دیانتداری کو آپ کے بدترین دشمنوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔

روزنامہ ''تیج'' دہلی نے 15 ستمبر 1948ء آپ کی وفات پر لکھا ''مسٹر جناح کی عظیم شخصیت کا مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ ارادے کے پکے اور قول کے سچے تھے اور

دوسرے فریق کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے میں بڑے سمجھدار تھے، اس لحاظ سے مسٹر جناح ایک بڑی شخصیت کے مالک تھے۔"

ہندوستان ٹائمز (بھارت) نے یوں اعتراف کیا ان کے سیاسی مخالفین بھی یہ تسلیم کئے بنا نہیں رہ سکتے کہ "مسٹر جناح اپنے ارادے کے پکے اور خلوص نیت کے مالک تھے ممکن ہے کہ تاریخ ان کی فرقہ پرستی کی بنا پر انہیں نشانہ تنقید بنائے لیکن تاریخ انھیں فراموش نہیں کر سکتی کیونکہ انھوں نے تاریخ بنائی ہے۔"

ان کا بڑے سے بڑا مخالف بھی ان کی خوبیوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ اپنے اندر قلب سلیم رکھتے تھے، انہوں نے دشمن کے مقابلے میں کبھی اوچھا ہتھیار استعمال نہیں کیا۔

قائد اعظم محمد علی جناح عشق رسول کی طرح اپنا سب کچھ ملک وقوم پر قربان کر دیا تھا۔ٹیسٹ ڈاکٹر سید محمد مظاہر اشرفی الاشرفی الجیلانی اپنی یادوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کو سب کچھ دیا، اپنی تمام جائیداد قوم کے نام وقف کر دیئے گئے، زندگی میں گورنر جنرلی میں صرف ایک روپیہ تنخواہ وصول کی، تمام خرچ اپنی جیب سے کرتے رہے، علاج معالجہ پر بھی اپنی جیب سے خرچ کیا، ان کے بہن بھتیجے سب ہی تھے لیکن وہ سب کچھ قوم کو دیئے گئے۔"

ایک سچا عاشق رسول موت سے کبھی بھی نہیں ڈرتا، بلکہ اسے ہنسی خوشی قبول کر لیتا ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی موت سے نہ ڈرے بلکہ مردِ مومن کی طرح مطمئن رہے۔

یہ موت پہ میری نہیں، میری اجل کی موت ہے
کیوں ڈروں اس سے کہ مر کر، پھر نہیں مرنا مجھے

ذیقعدہ 1367، 11 ستمبر 1948 کو قائد اعظم محمد علی جناح دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔

مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال کا عقیدہ تھا کہ کوئی قوم اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک وہ نبوت کے نصب العین کو اپنی شاہراہ حیات کی منزل مقصود نہ بنا لے، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس فکر کو عملی جامہ پہنایا۔ قائداعظم اپنے قول و کردار میں اقبال کے مرد مومن کا عملی پیکر تھے۔ مومن کا سینہ عشق مصطفےٰ ﷺ کا گنجینہ ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تحریر کی رو سے قرآن حکیم کی عظمت، حضور سے عشق و محبت اور اسلامی تعلیمات کا احترام جتنا قائد اعظم کے دل میں تھا اتنا عصر حاضر کے کسی پاکستانی عہدیدار کے دل میں شاید ہی ہو۔ بظاہر انہوں نے اپنے گرد مذہبی تقدس کا ہالہ نہیں بنایا تھا مگر انہوں نے ہمیشہ عوام کے مذہبی جذبات کی پاس داری کی۔ وہ مذہبی رسومات کی نمائش نہیں کرتے تھے مگر دین کی محبت و عقیدت کے جذبہ سے بھر پور سرشار تھے۔ ان کا رجحان، شعور اور نصب العین تعلیمات اسلامی کے عین مطابق تھا۔

وہ جب بھی بات کرتے تو اسلام کے آفاقی اصولوں، مساوات، اخوت، حریت، عدل و انصاف، حق، وقار، خودداری، یگانگت، برداشت، یقین، تنظیم اور ایثار پر زور دیتے۔ انہوں نے پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے جان و مال کی پرواہ کیے بغیر ایک عظیم تاریخ رقم کی۔ مگر صد افسوس موجودہ پاکستانی مملکت کے عہدیداروں نے اسلامی تعلیمات کو پس، پشت ڈال کر اسلام کے نام پر بننے والے ملک کو اپنے دست سفاک سے برباد کر دیا ہے۔ انہوں نے ذاتی و گروہی مفادات کی بھینٹ چڑھ کر ملکی معیشت، سیاست، حکومت اور اسلام کی اساس کو بُری طرح کمزور کر دیا ہے۔ کرپٹ رہنماؤں نے ہوس اقتدار کے نشے میں مست ہو کر ملتِ اسلامیہ کی اقدار کو پامال کر کے بے حیائی، ظلم و جبر، غداری، منافقت، جھوٹ، ضمیر فروشی کو عام کر دیا ہے اور عوام کے حقوق پامال کر کے جمہوریت اور آئین کی دھجیاں اڑا کر وطنِ عزیز کو اشرافیہ کی اسٹیٹ بنا دیا ہے۔

ان ان سنگین حالات میں پاکستان کو اسلام کا حقیقی قلعہ بنانے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ملکی عہدیداران، قائد اعظم کے فرمودات کی روشنی میں اپنے دگرگوں احوال کا جائزہ لے کر قائد سے عہدِ وفا کریں اور اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں سے توبہ کرتے ہوئے قائد کی دی گئی امانت کی حفاظت کریں جو کہ تقاضائے دین بھی ہے اور پاکستان کی بقاء، ترقی اور تحفظ کرتے ہوئے پھر سے اسی جذبہ کو بیدار کریں جس کے لیے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا تا کہ قائداعظم کا پاکستان مسلم ریاست کے طور پر دنیا میں ابھر سکے۔ ☆☆☆

امن کی ضرورت واہمیت

دینی و دنیوی امور کی اطمینان بخش ادائیگی کے لئے امن ناگزیر ہے

اسلام میں قتل ناحق کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے

سعدیہ کریم

اسلام خیرو فلاح اور امن و رحمت کا دین ہے اور جنگ و امن ہر صورت میں ظلم و جبر کی ممانعت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی وجہ سے جنگ کے دوران بھی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے، بستیوں کوجلانے، یہاں تک کہ درخت کاٹنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ تمام شعبہ ہائے زندگی میں امن کا قیام اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔

امن کیا ہے؟

امن سماج کی اس کیفیت کا نام ہے جہاں تمام معاملات معمول کے ساتھ بغیر کسی پر تشددِ اختلافات کے چل رہے ہوں۔ امن کا تصور کسی بھی معاشرے میں تشدد کی غیر موجودگی یا پھر صحت مند، مثبت بین الاقوامی یا بین انسانی تعلقات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں معاشرے کے تمام افراد کو سماجی، معاشی مساوات اور سیاسی حقوق وتحفظ حاصل ہوتے ہیں۔ عمومی طور پر امن تباہ کرنے میں عدم تحفظ، سماجی بگاڑ، معاشی عدم مساوات، غیر متوازن سیاسی حالت، قوم پرستی، نسل پرستی اور مذہبی بنیاد پرستی جیسے عوامل شامل ہوتے ہیں۔ امن کی عمومی تعریف میں کئی معنی شامل ہوتے ہیں۔ ان میں مجموعی طور پر امن کو تحفظ، بہتری، آزادی، دفاع، قسمت اور فلاح کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ انفرادی طور پر امن سے مراد تشدد سے خالی ایک ایسی طرز زندگی کا تصور لیا جاتا ہے جس کی خصوصیات میں افراد کا ادب، انصاف اور عمدہ نیت مراد لی جاتی ہے۔ معاشرے میں انفرادی طور پر امن کی حالت ہر فرد پر یکساں لاگو ہوتی ہے جبکہ مجموعی طور پر کسی بھی خطے کا پورا معاشرہ مراد لیا جاتا ہے۔

امن و امان کی اہمیت:

امن و امان کے سائے تلے ہی عبادت لذیذ محسوس ہوتی ہے۔ امن کی بدولت نیند، سکون اورکھانا مزیدار اور پینا راحت جان لگتا ہے۔ امن و امان ترقیاتی جدوجہد کے ستون ہیں اور ہر معاشرے کی منزل مقصود۔ ہر قوم امن و امان کی آرزو اور تمنا کرتی ہے۔ اسلامی معاشروں میں تو امن و امان بنیادی تعلیمات کا حصہ ہوتا ہے۔ جب امن میں کمزوری اور بگاڑ پیدا ہوجائے تو شیطانی خباثت اور اس کے انسانی اور جنی لشکروں کے کھیل تماشے ظاہر ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور انسانوں کو گمراہ کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ عام طور پر مسلمان معاشروں میں امن عامہ برباد کرنے والے لوگ دوسروں کا امن برباد کرنے سے پہلے اپنی ذات، والدین اور دیگر افراد خانہ کے امن کے دشمن ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جرم، قتل، و غارت، بدکاری اور گمراہ کنی کا لبادہ اوڑھے ہوتے ہیں جب ان کی اپنی زندگی برباد ہوجاتی ہے تو پھر یہ معاشرے و ملت کا قصر مسمار کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور معاشرتی امن کو تہہ و

بالا کر کے معاشرے کو خوف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے:

اسلام سے قبل دنیا اندھیری تھی، ہر طرف ظلم و جبر کا دور دورہ تھا۔ امن وامان نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ کبھی رنگ ونسل کے نام پر، کبھی زبان وتہذیب کے عنوان سے اور کبھی وطنیت وقومیت کی آڑ میں انسانیت کو اتنے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا اور ان ٹکڑوں کو باہم اس طرح ٹکرایا گیا تھا کہ آدمیت چیخ پڑی تھی۔ پوری دنیا بدامنی اور بے چینی سے بھرگئی تھی۔ وہ پسماندہ علاقہ ہو یا ترقی یافتہ اور مہذب دنیا روم و افرنگ ہو یا ایران و ہندوستان، عجم کا لالہ زار ہو یا عرب کے صحرا و ریگزار ساری دنیا اس آگ کی لپیٹ میں تھی۔ اسلام سے پہلے بہت سے مذہبی پیشواؤں اور نظام اخلاق کے علمبرداروں نے اپنے اپنے طور پر امن و محبت کے گیت گائے اور اپنے اخلاقی مواعظ و خطبات سے بدامنی کی آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی جس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے مگر اس عالمی آتش کو پوری طرح سے ٹھنڈا نہیں کیا جاسکا۔

اسلام نے پہلی بار دنیا کو امن ومحبت کا باقاعدہ درس دیا اور اس کے سامنے ایک پائیدار ضابطہ اخلاق پیش کیا جس کا نام ہی اسلام رکھا گیا یعنی دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب۔ یہ امتیاز دنیا کے کسی مذہب کو حاصل نہیں۔ اسلام نے مضبوط بنیادوں پر امن وسکون کے ایک نئے باب کا آغاز کیا اور پوری علمی و اخلاقی قوت اور فکری بلندی کے ساتھ اس کو وسعت دینے کی کوشش کی۔ آج دنیا میں امن و امان کا جو رجحان پایا جاتا ہے اور ہر طبقہ اپنے اپنے طور پر کسی گہوارہ سکون کی تلاش میں ہے یہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کا دین ہے۔

اسلام میں امن وسکون کی تعلیمات:

جس معاشرہ کا شیرازہ امن بکھرتا ہے اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے۔ اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت و احترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ۚ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا. (المائدۃ،۵:۳۲)

’’اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر (نازل کی گئی تورات میں یہ حکم) لکھ دیا (تھا) کہ جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد انگیزی (کی سزا) کے بغیر (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا (یعنی اس نے حیاتِ انسانی کا اجتماعی نظام بچا لیا)۔‘‘

انسانی جان کی عظمت کا ایسا عالمگیر اور وسیع تصور اسلام سے قبل کسی مذہب وتحریک نے پیش نہیں کیا۔ اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علمبردار قرار دیتا ہے۔ ایک اور آیت قرآنی کا مفہوم ہے کہ:

’’دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم وشرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھا ہے امن انھی لوگوں کے لیے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں۔‘‘ (الانعام)

اسلام قتل وخونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے اور اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے۔

امن ایک بہت بڑی نعمت ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ قرآن مجید میں اس کو عطیہ الٰہی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعائیں کیں ان میں سب سے پہلی دعا امن کے قیام کی تھی۔ قرآن میں اس دعا کا ذکر یوں کیا گیا:

رب اجعل هذا البلد امنا.

اے میرے رب اس شہر مکہ کو امن والا بنا دے۔

اس دعا سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ اے اللہ! مکہ میں امن قائم کرنے کا حکم دے دے اور مکہ کو حرم بنادے اور حدود مکہ میں قتل، خون ریزی کو خصوصیت کے ساتھ منع فرمادے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور مکہ کو حرم بنادیا حتی کہ زمانہ جاہلیت میں کفار بھی مکہ مکرمہ میں باہم قتل اور خون ریزی سے باز رہتے تھے۔

دعائے ابراہیمی کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی جائے پیدائش (حرم مکہ) کو گہوارہ امن قرار دے دیا۔ ارشاد باری ہوا کہ:

من دخله كانا امنا.

اس کے سایہ میں داخل ہونے والا ہر شخص صاحب ایمان ہوگا۔

احادیث مبارکہ میں بھی امن و امان کی ضرورت و اہمیت سے متعلق بے شمار ہدایات موجود ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ظلم سے بچو اس لیے کہ ظلم قیامت کی بدترین تاریکیوں کا ایک حصہ ہے۔ نیز بخل و تنگ نظری سے بچو اس چیز کے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اسی مرض نے انھیں خونریزی اور حرام کو حلال جاننے پر آمادہ کیا۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے عصبیت اور تنگ نظری کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے اور جو عصبیت کی بنیاد پر قتل کرے۔

ایک اور موقع پر اہل معاہدہ اور کمزوروں پر ظلم کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: خبردار جو کسی معاہد پر کوئی ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز حاصل کرے گا تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف دعویٰ پیش کروں گا۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ جس نے کسی معاہد (ذمی غیر مسلم) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

اس طرح کی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں امن کی جو تعلیمات ہیں وہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ہیں جن میں ظلم و جبر سے بچنے، پرامن زندگی گزارنے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی فتنہ و شر انگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عمل خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت، روئے زمین میں ایک امن پسند خوشگوار اور مثبت ماحول کی تشکیل، عام انسانوں کے ساتھ فراخدلی اور رواداری اور ہر مذہب و قوم کے مذہبی روایات و شخصیات کے احترام کی پرزور تلقین کی گئی ہے۔

پرامن معاشرہ کی تشکیل وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ابتدائی طور پر معاشرہ امن، انصاف، خیر خواہی، خدمت خلق، مساوات اور حقوق العباد کی ادائیگی پر قائم ہوتا ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں انھی اوصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے امن و امان قائم کیا جاسکتا ہے

آج کا جدید اور ترقی یافتہ دور جو سیاسی، سماجی، معاشی، سائنسی اور علمی میدان میں اپنی انتہائی بلندی کو چھو رہا ہے اس دور میں بھی دنیا امن و امان کے مسئلے سے اس طرح دوچار ہے۔ جس طرح آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے کا سماج امن اور سلامتی کے مسئلے سے دوچار تھا۔ انسانوں کی عزتیں، مال و جائیداد محفوظ نہیں ہیں۔ مذہبی اور فکری تحفظ نہیں ہے۔ آج بھی رنگ و نسل، ذات پات، وطنیت کا بھوت شیشے میں بند نہیں ہوا۔ اونچ نیچ کا فرق ختم نہیں ہوا۔ دنیا میں جتنے بھی نظریات آئے کسی نے انسان کے بنیادی مسائل کو حل نہیں کیا۔ لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ جیسے ادارے ہونے کے باوجود امن و امان کا مسئلہ جوں کا توں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کا نام اسلام ہے اس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسلام ہی امن اور سلامتی کا دین ہے جس کے ہر امر اور نہی کے پیچھے امن و سلامتی کا راز چھپا ہوا ہے۔ تاریخ اسلام کا

مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قرون اولیٰ اور وسطیٰ میں اسلام کے زیرنگیں ممالک میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہر قوم، ملت اور مذہب کے افراد امن، آشتی، سکون اور اطمینان سے زندگی بسر کررہے تھے۔ ہر شخص اسلام کی برکتوں سے زندگی کی خوشیاں حاصل کررہا تھا۔ علم کی روشنی نے ہر طرف جاہلیت کے اندھیروں کو مٹادیا تھا۔

قانون قدرت ہے کہ کسی قوم، تہذیب اور معاشرہ کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اچانک بگاڑ رونما نہیں ہوتا بلکہ زندگی کے مختلف شعبے پہلے چھوٹی خرابیوں اور بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں جن کی اصلاح کے لیے قوم کے مصلح، متقی اور قوانین فطرت سے واقف افراد سرگرم عمل ہوجاتے ہیں اور اصلاح احوال کی سعی کرتے ہیں اور معاشرے میں امن و امان قائم کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہیں۔

پرامن معاشرہ کی تشکیل وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ابتدائی طور پر معاشرہ امن، انصاف، خیر خواہی، خدمت خلق، مساوات اور حقوق العباد کی ادائیگی پر قائم ہوتا ہے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں انھی اوصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے امن و امان قائم کیا جاسکتا ہے۔

حاصل کلام:

امن و امان کا حاصل ہونا سب سے بڑی نعمت ہے ایمان تب ہی سلامت رہ سکتا ہے جب شہر میں امن ہو، تمام لوگوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو۔ تاریخ پر نظر دوڑائیں کہ جب اندلس میں امن نہ رہا اور مسلمانوں کی جانیں عیسائی حکمرانوں کے ہاتھوں محفوظ نہ رہیں تو کتنے مسلمانوں کو قتل کردیا گیا اور کتنے مسلمان جبراً عیسائی بنادیئے گئے۔ اذان، نماز باجماعت اور دیگر اسلامی شعائر اسی وقت قائم کیے جاسکتے ہیں۔ جب ملک میں مسلمانوں کو امن حاصل ہو۔ بھارت کی مثال سامنے ہے کتنے ہی مسلمانوں کو شدھی کردیا گیا، وہاں گائے کی قربانی نہیں کی جاسکتی۔ مسلمان بچوں کو ہندی سکولوں میں بندے ماترم کا ترانہ پڑھنا پڑتا ہے۔ مسلمانوں کی مساجد محفوظ نہیں ہیں اس لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں امن قائم ہو۔

لیکن صحت کے حصول کے لیے ہسپتالوں اور ڈاکٹروں تک پہنچنا تبھی ممکن ہے جب ملک میں امن ہو۔ لسانی اور فرقہ وارانہ فسادات میں کتنے بچے یتیم ہوجاتے ہیں، بعض گھروں کے کفیل فسادات کی نذر ہوجاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے پورا گھرانہ مصائب کا شکار ہوجاتا ہے۔ غرضیکہ بدامنی سے دین کا بھی نقصان ہوتا ہے اور دنیا کا بھی، ہنگاموں میں لوگ ڈاکخانے اور بنک جلا دیتے ہیں، گاڑیاں جلادیتے ہیں، ٹریفک سگنل توڑ دیتے ہیں۔ یہ قومی اور ملی نقصان ہوتا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم میں اجتماعی سوچ نہیں رہی۔ امن نہ ہونے کی وجہ سے دین اور دنیا دونوں خطرے میں ہوتے ہیں۔ دین اور دنیا کی کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب مسلمانوں کے ملک میں امن و امان قائم ہو۔ جس ملک میں مسلمانوں کی جان اور ان کا ایمان خطرہ میں ہو وہاں کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعائیں کیں ان میں ملک میں سلامتی اور امن کے حصول کی دعا سب پر مقدم تھی۔ ہمارے نبی ﷺ بھی مہینے کے ہر چاند کو دیکھ کر سب سے پہلے امن اور سلامتی کی دعا مانگتے اور فرماتے کہ اے اللہ ہمیں اس چاند میں امن اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ رکھ۔

انبیاء کی دعاؤں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امن معاشرے کی تشکیل میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب معاملات کی بات ہو تو قرآن حسن معاشرت کی تعلیم دیتا ہے۔ انصاف کی بات ہو تو مساوات کا پیغام دیا جاتا ہے اور حقوق کی باری آئے تو قرآن کریم ہمیں لوگوں کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرنے کا درس دیتا ہے بلکہ والدین کے سامنے اف تک کہنے سے بھی منع کرتا ہے۔ ان تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرے میں امن وسکون انھی باتوں پر عمل کرنے سے آسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

صحت اور فرصت کی نعمتوں کی قدر کریں

اچھے کام کا ارادہ کرو تو پھر کر گزرو

علماء، صالحین ٹائم مینجمنٹ کا خاص خیال رکھتے

مرتبہ: عائشہ بتول

فراغت اور فرصت کے اوقات بڑی نعمت ہیں یہ ہمت کو دوبارہ بحال کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ آقا علیہ السلام نے فرصت کے اوقات کو نعمت قرار دیا ہے۔ (ترمذی)

دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی بہت سارے لوگ قدر نہیں کرتے۔ صحت اور فرصت۔

حضرت حسن بصریؒ اس نعمت عطیہ کو غنیمت جاننے کے بارے میں فرماتے کہ روزانہ فجر کے وقت اللہ تعالیٰ کا ایک منادی آواز دیتا ہے۔ اے ابن آدم! میں نئی تخلیق ہوں اور تیرے عمل کا گواہ ہوں۔ لہذا عمل صالح کے ذریعے مجھ سے توشہ بنالے کیونکہ پھر میں قیامت تک دوبارہ نہیں آؤں گا۔

وقت کی قدر:

جب کسی اچھے کام کرنے کا ارادہ کرو تو اسے کر گزرو یہ مت کہو کہ کل کرلوں گا۔ وقت تو بادلوں کی طرح گزر جاتا ہے۔ آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمانے قریب نہ آجائیں۔ ایک سال ایک مہینہ کے برابر ہوجائے گا۔ مہینہ ایک جمعہ کے برابر، جمعہ ایک دن کے برابر اور ایک دن ایک لمحہ کے برابر اور ایک لمحہ ایک آگ کے انگارے جتنا ہوجائے گا۔ (مسند احمد)

غافل لوگوں کے لیے وعید آئی ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ. (الحجر، ۱۵: ۳)

"آپ (غمگین نہ ہوں) انہیں چھوڑ دیجیے وہ کھاتے (پیتے) رہیں اور عیش کرتے رہیں اور (ان کی) جھوٹی امیدیں انہیں (آخرت سے) غافل رکھیں پھر وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے۔"

تفسیر قرطبی سے علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ لمبی امیدیں ایک لاعلاج اور دائمی مرض ہے جب یہ دل میں بیٹھ جاتا ہے تو مزاج خراب اور علاج سخت ہوجاتا ہے اس سے نہ بیماری دور ہوتی ہے نہ ہی کوئی دوا کامیاب۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: "اس امت کے اولین لوگوں کی درستگی زہد اور یقین سے ہوئی اور اس کے آخری لوگوں کو بخل اور امید سے ہلاک کردیا جائے گا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے۔ مجھے ایسی ندامت کبھی نہیں ہوتی جیسی ندامت مجھے اس دن پر ہوتی ہے جس کا سورج غروب ہو اور میری عمر کا وقت کم ہوجائے مگر اس میں میرا عمل زائد نہ ہوا ہو۔

علامہ ابن جوزیؒ اپنی معروف کتاب لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد میں بیان فرماتے ہیں۔ اے میرے بیٹے جان لو یہ ایام چند ساعات پر مشتمل ہیں اور ساعت کچھ سانسوں پر اور ہر سانس ایک خزانہ ہے اس لیے اس بات سے ہوشیار رہنا کہ کوئی سانس بغیر کچھ کام کیے گزار دو ورنہ قیامت میں اپنا خزانہ خالی دیکھ کر تمہیں ندامت ہوگی۔ ہر لمحہ کو دیکھو وہ کیا لے جارہا ہے لہذا

اس لمحے کو بہتر سے بہتر کام کے ساتھ رخصت کرو اور اپنے نفس کو مہلت مت دینا بلکہ اسے عادت ڈالو کہ وہ اچھے اعمال اور نیکیاں کرے۔ اپنی قبر کے صندوق میں اپنے لیے وہ کچھ بھیجو جو جب تم کو ملے تو اس سے خوشی حاصل ہو۔ کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے فارغ وقت کو قرآن حکیم کا کچھ حصہ زبانی یاد کرنے یا دینی مجلسوں میں گزارو کیونکہ نیک صحبت، قرآن اور دینی اجتماع پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس گھر میں کچھ لوگ جمع ہوکر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور اس کو ایک دوسرے کو سکھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے فرشتے انھیں گھیرے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجودہ لوگوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ (مسلم شریف)

سلف صالحین کا معمول:

صحابہ کرامؓ اور اس وقت کے علماء وقت کی اس قدر کرتے تھے ان کے واقعات درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر العاصؓ اپنے بارے میں فرماتے ہیں میں نے قرآن جمع کرلیا اور ایک رات میں پورا پڑھ لیا تو مجھے رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ آگے کے وقت میں جب ٹائم زیادہ لگے گا تو تم بیزار سے ہوجاؤ گے اس لیے مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھا کرو تو میں نے گزارش کی مجھے اپنی قوت اور جوانی کا فائدہ اٹھانے دیجیے تو آپﷺ نے فرمایا پھر دس دن میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔ میں نے پھر وہی گزارش کی تو فرمایا کہ سات دن میں پڑھا کرو میں نے پھر وہی گزارش کی تو آپﷺ نے مزید کمی کرنے سے انکار کردیا۔ (ابن ماجہ)

ان صحابی رسولﷺ کو دیکھیں کہ وہ جوانی سے فائدہ اٹھانے کی اجازت مانگ رہے ہیں۔ وہ بھی محض اللہ کی رضا کے لیے لیکن رسولﷺ نے اجازت نہیں دی بلکہ اعتدال میں رہنے کی تلقین کی۔

حضرت امام شافعیؒ اپنی رات کو تین حصوں پر تقسیم کرتے تھے۔ ایک تہائی رات علم کے لیے ایک تہائی عبادت کے لیے ایک تہائی سونے کے لیے وہ قرآن مجید ایک رمضان میں نفل میں ساٹھ مرتبہ ختم فرماتے تھے۔

گھر والوں یا احباب کو مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرو۔ مریض کی عیادت کرو، تکلیف میں مبتلا شخص کی مدد کرو، حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت میں لگا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کردے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری)

حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی یا کسی بھائی کی زیارت کی ایک منادی آواز دیتا ہے تو مبارک ہو تیرا چلنا مبارک ہو تیرا ٹھکانہ جنت میں ہو۔ (بخاری)

حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا: بے شک وہ شخص جس کے دل میں قرآن کا کچھ بھی حصہ نہ ہو وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ (بخاری)

قیامت کے دن عرش کے سائے تلے حاملین قرآن ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اپنی اولاد کو تین خصائل کی تربیت دو۔

۱۔اپنے نبی کی محبت ۲۔اہل بیت کی محبت

۳۔قرآن پڑھنے کی محبت

حاملین قرآن عرش کے سائے تلے انبیاء کرام اور اللہ کی خاص بندوں کے ہمراہ ہوں گے۔ اس دن اس سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا قول ہے۔ میں جب کسی ایسے آدمی کو دیکھتا ہوں جو نہ دنیا کے کسی پیشہ میں لگا ہو نہ آخرت کے عمل میں ہو تو وہ میری نظروں سے گر جاتا ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے دی گئی مہلت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور کارآمد بنانے کی توفیق دے۔ آمین

ابن جریر طبری کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں۔ انھوں نے چالیس سال تک روزانہ چالیس ورق تحریر کیے۔ ان

کے شاگردوں نے ان کی ہوش مندی کی عمر سے موت تک کا حساب لگایا (وہ چھیاسی سال کی عمر میں فوت ہوئے) پھر اس ساری عمر کے ایام میں تصنیفات کو تقسیم کیا تو روزانہ کے چودہ صفحہ بنے یعنی کہا جائے تو انھوں نے ہوش مند ہوتے ہی روزانہ بلاناغہ چودہ صفحے تصنیف کیے۔

ابن انیسؒ جب لکھنے بیٹھتے تو ان کے پاس چھ قلم رکھ دیئے جاتے اور وہ اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیتے اور اپنے دل سے تصنیف شروع کر دیتے۔ سیلاب کی روانی کی طرح قلم چلتا اور جب قلم لکھنا چھوڑ دیتا تو یہ اسے رکھ کر دوسرا قلم اٹھا لیتے تاکہ قلم چھیلنے میں وقت ضائع نہ ہو۔

لہذا میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا کیونکہ یہ ایسی تلوار ہے جسے تم نہیں کاٹو گے تو وہ تمھیں کو کاٹ دے گا۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا. (الفرقان،۲۵:۶۲)

''اور وہی ذات ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے گردش کرنے والا بنایا اس کے لیے جو غور وفکر کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے (ان تخلیقی قدرتوں میں نصیحت و ہدایت ہے)۔''

ابن عقیل حنبل کہتے ہیں کہ میرے زندگی سے کوئی لمحہ ضائع کرنا حلال نہیں ہے مجھے علم کی حرص اتنی زیادہ ہے کہ آج اسی سال کی عمر میں میرا شوق بیس سال کی عمر کے شوق سے بھی زیادہ ہو چکا ہے۔ میں اپنے وقت کو بے انتہا کم پاتا ہوں لہذا کیک کے چورے کو کھاتا ہوں اور روٹی کو پانی سے نگل لیتا ہوں تاکہ مجھے چبانے میں وقت صرف نہ کرنا پڑے اور جو وقت بچے اسے کتاب کے مطالعہ یا لکھنے میں کارآمد بنالوں۔

وقت کو قیمتی بنانے کا طریقہ:

وقت کو قیمتی بنانے کے بہت سے طریقے ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا: سورۃ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ثواب رکھتی ہے۔

۲۔ سورۃ فاتحہ کے بارے میں حضور نبی اکرمﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایک ایسی سورۃ سکھاؤں گا جو قرآن میں سب سے زیادہ عظمت والی سورۃ ہے پھر آپﷺ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور فرمایا یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

۳۔ حضورﷺ نے فرمایا: دو کلمے جو زبان پر ہلکے، میزان پر بھاری ہیں اور رحمٰن کو بہت پسند ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔ (بخاری ومسلم)

۴۔ جو شخص دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے گا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (متفق علیہ)

۵۔ حضور علیہ السلام پر بیس مرتبہ درود پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس پر دو سو مرتبہ رحمتیں بھیجتا ہے۔

۶۔ استغفار و مغفرت جنت میں داخلے کا سبب ہے۔ بلاؤں کو دور کرنے اور معاملات میں آسانی مال اور اولاد کے ذریعے اللہ کی مدد کا سبب بناتا ہے۔

۷۔ **لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد، وھو علی کل شئی قدیر** جو شخص یہ دعا دس مرتبہ پڑھے گا اس کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار افراد کو غلامی سے آزاد کرا دے۔ (متفق علیہ)

۸۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** کے بارے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں جنت کے ایک خزانے کی جانب رہنمائی نہ کردوں تو میں نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہﷺ آپ نے فرمایا: لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ (متفق علیہ)

۹۔ اپنے وقت کو قیمتی بنانے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ امر بالمعروف کریں راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بن کر گناہوں کو مٹا دے گا۔ نیکیاں نامہ اعمال میں جمع ہو جائیں گی۔

☆☆☆☆☆

خواتین پر بیماریوں کے اثرات

دل کا دورہ مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ جان لیوا ہوتا ہے

ڈپریشن مضبوط اعصاب والے شخص کو بھی لپیٹ میں لے لیتا ہے

مریم اقبال

صحت اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا نعم البدل کوئی نہیں، لیکن بیماری انسان کو کسی بھی وقت اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے اور اس کے نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ دنیا بھر میں کئی اقسام کی بیماریاں ہیں جن میں مبتلا ہو کر انسان نہ صرف پریشانی کا شکار رہتا ہے بلکہ کبھی کبھی جان سے ہاتھ بھی دھو بیٹھتا ہے۔ بیماری بھی موت کی طرح سفاک اور سنگین ہوتی ہے نہ ہی عمر دیکھتی ہے اور نہ ہی کوئی مقام و مرتبہ دیکھتی ہے اور یہ قدرت کا نظام ہے۔ بیماریوں کی اقسام مختلف ہوتی ہیں اور اس کے اثرات بھی مختلف عمر کے لوگوں پر مختلف ہی ہوتے ہیں اور مرد و عورت و بچوں پر بھی بیماریوں کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔

پاکستان میں صحت کے حوالے سے خواتین کی بیماریوں کے بہت سے مسائل ہیں، جن میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ صحت میں دیگر سماجی شعبوں کے مقابلے میں جنسی (حیاتیاتی) اور صنفی (رویے اور سماجی) متغیرات کو تحقیق اور عمل کے لئے مفید پیرامیٹرز (parameters) تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ جنسوں کے درمیان حیاتیاتی فرق مرد و عورت کی مخصوص بیماریاں متعین کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک، جنس اور جنس سے متعلق بیماریوں کی آگاہی کی اہمیت خواتین کی مخصوص بیماریوں پر کام کرتی تھی لیکن مردوں اور عورتوں کی مشترکہ بیماریوں تک نہیں پہنچی تھی لہذا اس بارے میں اب بھی بہت کم تحقیق موجود ہے کہ کون سی بیماریاں مردوں اور عورتوں کو کیسے متاثر کرتی ہیں۔ وہ کون سی بیماریاں ہیں جو خواتین میں زیادہ پائی جاتی ہیں، اس حوالے سے آگاہی بہت ضروری ہے تاکہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے بیماریوں سے لڑا جا سکے اور اس بیماری کو قریب آنے سے پہلے ہی روکا جا سکے۔ پڑھی لکھی باشعور خواتین کے مقابلے میں کم علم اور ناواقف خواتین زیادہ بیماریوں کا شکار ہوتی ہیں جس کی وجہ ان میں بیماری کے حوالے سے آگاہی کا نہ ہونا ہے۔ اسی طرح خواتین کی کچھ بیماریاں ایسی ہیں جو ان سے خاص طور پر منسوب ہیں اور وہ اس کا شکار ہونے کے بعد یا تو تندرست و توانا ہو جاتی ہیں یا پھر اس بیماری کا شکار ہو کر بہت انہیں بہت برے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جو مردوں اور عورتوں میں الگ الگ ہیں لیکن کچھ بیماریاں ایسی ہیں جو مردوں اور عورتوں میں مشترکہ ہوتی ہیں لیکن ان کے اثرات مردوں اور عورتوں میں الگ الگ ہوتے ہیں۔ جن میں سے کچھ بیماریاں اور ان کے اثرات درج ذیل ہیں۔

دل کا دورہ (Heart Attack):

دل کا دورہ Heart Attack ایک ایسی بیماری

ہے جو تحقیق کے مطابق عموماً مردوں سے زیادہ عورتوں کیلئے جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔ تحقیق کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ اموات اس بیماری سے ہوتی ہیں۔ دل کا دورہ پڑنے پر مردوں کو سینے میں درد، دباؤ اور جکڑن محسوس ہوتی ہے اس کے برعکس عورتوں کو کمر کے اوپری حصے میں دباؤ، جبڑے میں درد اور سانس لینے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے، یا پھر متلی یا چکر آ سکتے ہیں۔

اسٹروک (Stroke):

تحقیق کے مطابق سالانہ خواتین کی ایک بہت بڑی تعدادکو فالج کا سامنا کرنا پڑتا ہے عام علامات کے علاوہ اچانک کمزوری، بولنے اور توازن کا کھو جانا اور الجھن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خواتین میں اس کے علاوہ کچھ اور مختلف علامات ہوسکتی ہیں جیسے بیہوشی، اشتعال، فریب، قے، درد، ہچکی اور دورے۔

بال گرنا (Hair Fall):

مختلف بیماریاں خواتین اور مردوں پر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہوتی ہیں اور ان کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں جیسے خواتین کے مقابلے میں مردوں کی عمر کے ساتھ بال گرنے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ خواتین میں عمر کے ساتھ بالوں کے پتلے ہونے کی شرح 40 فیصد جبکہ مردوں میں یہ شرح بڑھتی عمر کے ساتھ 50 فیصد ہے ان کے بالوں کی لکیر دور سے پیچھے جاتی ہے ان کے سر کے تاج پر گنجا دھبہ ہوسکتا ہے۔ خواتین میں یا تو بالوں کا پتلا ہونا ہوسکتا ہے یا بے ترتیب گنجا پن۔

مہاسے (Acne):

ہارمونل Hormonal بیماریاں خواتین کو مردوں کے مقابلے زیادہ اثر انداز کرتی ہیں چونکہ ہارمونز اکثر مہاسوں کی وجہ بنتے ہیں اور خواتین وہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ مہاسوں کا شکار ہوتی ہیں اس کا علاج جنس کی بنیاد پر مختلف ہوسکتا ہے جو ہارمونز کو کنٹرول کرتی ہیں جیسے برتھ کنٹرول ادویات۔ خواتین کے مقابلے میں مردوں کے لئے کریمیں زیادہ آزمودہ ہیں۔

تناؤ (Stress):

خواتین مردوں کے مقابلے میں زیادہ تناؤ کا شکار ہوتی ہیں جبکہ دونوں ہی ایک ہی تناسب سے تناؤ کا شکار ہوتے ہیں۔ خواتین تناؤ میں اکثر مختلف علامات جیسے سر درد، پیٹ درد، پیٹ کی خرابی یا رونے کی ضرورت کی شکایات کرتی ہیں۔ خواتین کے مقابلے میں مردوں کو تناؤ میں جسمانی علامات کم ہوتی ہیں۔

درد (Pain):

مردوں کے مقابلے میں خواتین دائمی درد کا زیادہ شکار رہتی ہیں (وہ درد جو 6 ماہ سے زیادہ رہے اور علاج سے بھی اس میں افاقہ نہ ہو)، یہ درد زیادہ عرصے تک رہتا ہے اور اس کی شدت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اب تک اس کی حتمی وجہ نہیں جان سکے ہیں البتہ یہ ان کا خیال ہے کہ یہ دونوں جنسوں کے درمیان ہارمونز کے فرق کی جہ سے ہوسکتا ہے۔

اسٹیوپوروسس (Osteoporosis):

خواتین کو اسٹیوپوروسس (جوڑوں/ ہڈیوں کا درد) ہونے کا امکان مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اسے اکثر مردوں میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لیکن جن مردوں میں ہڈیوں کی کثافت کی یہ کمی پائی جاتی ہے اور وہ کولہے کی ہڈی ٹوٹنے کا شکار ہو جاتے ہیں تو اس وجہ سے خواتین کے مقابلے مردوں میں اموات ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

ایک سے زیادہ کاٹھنی (Multiple sclerosis):

یہ ایک سوزش والی خود کارقوت بیماری ہے۔ یہ جسم کے اپنے اعصابی ٹشوں کا ردعمل ہے، جو عام طور پر ایک مخصوص قسم کے سوزش خلیات میں ثالثی ہوتا ہے وہ بیماریاں جو مدافعتی نظام کو متاثر کرتی ہیں مردوں میں زیادہ شدید ہوتی ہیں

مثال کے طور پر مردوں کے مقابلے خواتین کو زیادہ متاثر کرتا ہے لیکن جب یہ مرض اپنی ایڈوانس قسم میں ہوتو پھر اس کی شدت مردوں میں بھی خواتین جیسی ہی ہوتی ہے اور اس کا علاج بھی سخت اور مشکل ہوتا ہے۔

وہ کون سی بیماریاں ہیں جو خواتین میں زیادہ پائی جاتی ہیں، اس حوالے سے آگاہی بہت ضروری ہے تاکہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے بیماریوں سے لڑا جاسکے اور اس بیماری کو قریب آنے سے پہلے ہی روکا جاسکے۔ پڑھی لکھی باشعور خواتین کے مقابلے میں کم علم اور ناواقف خواتین زیادہ بیماریوں کا شکار ہوتی ہیں جس کی وجہ ان میں بیماری کے حوالے سے آگاہی کا نہ ہونا ہے۔

پی سی او ایس (Polycystic ovary syndrome (PCOS):

پولی سسٹک اووری سنڈروم یہ دراصل خواتین میں موجود ایک کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کو باقاعدہ کسی بیماری کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ کیفیت بڑی عمر کی خواتین کے مقابلے میں کم عمر لڑکیوں پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ خواتین میں ہارمونز کی بے ترتیبی ہے۔ یہ کیفیت بیماری کی شکل میں ڈپریشن، بے چینی، بانجھ پن، چہرے کے غیر ضروری بالوں اور موٹاپے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے خواتین میں نفسیاتی مسائل پیدا ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اس بیماری کا بہترین علاج ورزش ہے جب کہ فاسٹ فوڈز اور کولڈ ڈرنکس اس میں سخت نقصان دہ ہے۔ ڈاکٹرز کے مطابق 16 سے 18 سال کی عمر کے دوران بچیوں کا اووری کا ٹیسٹ کروانا چاہیے۔

وٹامن ڈی کی کمی (Vitamin D deficiency):

وٹامن ڈی انسانی جسم کے لیے اہم ہے، خاص طور پر خواتین کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ اس سے ہڈیوں، دانتوں اور پٹھوں کو مضبوطی ملتی ہے۔ یہ جسم میں ایک ہارمون کا کردار ادا کرتا ہے۔ جسم اس وٹامن کو بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، بلکہ اس کو مختلف طریقوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے جس میں دھوپ سب سے اہم ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ دہی، اورنج جوس اور ایک خاص قسم کی مچھلی سے بھی وٹامن ڈی کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ڈپریشن (Depression):

ڈپریشن ایسی بیماری ہے جو مضبوط سے مضبوط اعصاب کے شخص کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین ڈپریشن کا شکار زیادہ ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں خواتین زیادہ اداس رہتی ہیں، اپنے کاموں سے ان کا دل اچاٹ رہنے لگتا ہے، جسمانی کمزوری، تھکاوٹ اور بے رغبتی، بھوک اور نیند کا متاثر ہونا، صدمہ، تکلیف اور ماہانہ نظام کی خرابی اس کی اہم علامات ہیں۔ مرد ہوں یا خواتین ڈپریشن کا بہت زیادہ ہونا ان کے ذہن میں خودکشی جیسی سوچ کو بھی جنم دیتا ہے یہاں تک کہ کچھ لوگ اس سوچ میں مبتلا ہوکر اس منفی سوچ کو حقیقت کا رنگ دیتے ہیں اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

صحت مند اور خوشحال زندگی کے لیے بہت ضروری ہے کہ جیسے ہی بیماری کی کوئی بھی علامت ظاہر ہو فوراً ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے۔ کوئی بھی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج ناممکن ہو آقا دوجہاں ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ **ما أنزل الله من دآء إلا أنزل له شفآء**" (البخاری) اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اُتاری جس کی شفا نازل نہ فرمائی ہو۔ یہ حدیثِ مبارکہ بنی نوعِ انسان کو ہر مرض کی دوا کے باب میں مسلسل ریسرچ کے پراسس کو جاری رکھنے اور علاج کے لئے ماہرین سے رجوع پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ تصور کہ بعض بیماریاں کلیتاً لاعلاج ہیں، اِس تصور کو اِسلام نے قطعی طور پر بے بنیاد اور غلط قرار دیا ہے۔

☆☆☆☆☆

گلدستہ

دین کا نقصان سب سے بڑا نقصان

دوست برائی سے بچاتا دشمن برائی پر اکساتا ہے

مرتبہ: حافظہ سحر عنبرین

خوشبو گل ہائے اہل بیت کی:

قال رسول اللہ (ﷺ) حسین منی و انا من حسین احب اللہ من احب حسینا ". حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں جو حسین سے محبت رکھے گا خدا اس سے محبت رکھے گا ".(مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو لائقِ ملامت سمجھتا ہوں۔

دوست وہ ہے جو تمہیں برائی سے بچائے اور دشمن وہ ہے جو تمہیں برائیوں کی ترغیب دلائے۔

مومن نہ برائی کرتا ہے اور نہ ہی عذر پیش کرتا ہے جب کہ منافق ہر روز برائی کرتا ہے اور ہر روز عذر خواہی کرتا ہے۔

لوگو! جود و سخاوت کرنے والا سردار قرار پاتا ہے، اور بخل کرنے والا ذلیل و رسوا ہوتا ہے۔

جو کسی مومن کے کرب و غم کو دور کرے، خدا اس کے دنیا و آخرت کے غم و اندوہ کو دور کرے گا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: سب سے بڑا عفو کرنے والا انسان وہ ہے جو قدرت ہونے کے باوجود معاف کر دے۔

باتیں اہل اللہ کی:

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہر وہ ملک جہاں اللہ کی شریعت کو ضائع کر دیا جائے اور اللہ کی حدود قائم نہ ہوں؛ وہاں خوف بڑھ جاتا ہے، امن کم ہو جاتا ہے، انتشار کا دور دورہ ہوتا ہے، رذائل کی کثرت اور فضائل کی قلت ہو جاتی ہے، نہ لوگ اپنے رہن سہن سے مطمئن ہوتے ہیں نہ معیشت سے۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مصیبت یہ نہیں کہ انسان کو اس کی جان، مال یا اولاد کے متعلق کوئی تکلیف پہنچے بلکہ اصل اور نا قابلِ تلافی مصیبت تو یہ ہے کہ انسان کو اس کے دین میں نقصان ہو جائے؛ یقین کی جگہ شک لے لے، باطل حق نظر آنے لگے، اچھائی برائی اور برائی اچھائی لگنے لگے۔

شیخ أحمد بن یحیی النجمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس دور میں آپ شاذ و نادر ہی کوئی طالب علم دیکھیں گے جو اللہ کے چہرے کی خاطر علم حاصل کرتا ہو؛ اسی لیے علم کی برکت ختم ہو کر رہ گئی کہ اس کے حاصل کرنے والوں کی نیتوں میں فساد ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اگر تمہاری مجلس میں ایسا شخص بیٹھا ہو جو تمہاری باتیں سلطان کو بتاتا ہو، تو کیا تم ایسی کوئی بات کرو گے جو بادشاہ کو نالاں کرنے والی ہو؟

لوگوں نے جواب دیا: بالکل نہیں۔

امام صاحب نے فرمایا:

یاد رکھو! تمہارے ساتھ فرشتے موجود رہتے ہیں، جو تمہاری باتیں جا کر اللہ کو بتاتے ہیں۔

(تو تم اس کو ناراض کرنے والی باتیں/کام کیسے کر لیتے ہو؟!

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

* سلف اعمال خیر میں محنت کرتے تھے اور خود کو گناہ گار اور کوتاہ عمل سمجھتے تھے اور ہم اپنی برائیوں کے باوصف خود کو نیکوکار سمجھتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

* اپنے دل کو تین موقعوں پر دیکھو: سماعِ قرآن کے وقت؛ مجالسِ ذکر میں اور خلوت و تنہائی کے لحات میں۔ اگر ان مواقع پر نہ پاؤ تو خدا سے دعا مانگو کہ وہ تمہیں دل عطا کرے کیوں کہ تمھارے پاس دل ہے ہی نہیں۔

بالوں کے مسائل سے نجات:

لمبے گھنے خوبصورت بالوں کی خواہش خاص طور پر لڑکیوں میں بہت عام ہے۔ مگر روکھے اور جھڑتے بالوں سے نا صرف لڑکیاں پریشان ہیں بلکہ لڑکیوں کو بھی اس مسئلے کا سامنا ہے۔ جس سے نمٹنے کیلئے نوجوان لڑکے لڑکیاں بہت سے ٹوٹکے استعمال کرتے ہیں۔

ذیل میں دی گئی چند قدرتی اشیاء کے استعمال سے آپ بالوں کے مسائل سے چھٹکارا پا سکتے ہیں:

۱۔ سرسوں کے تیل:

نہانے سے پہلے بالوں میں سرسوں کے تیل کی مالش کرنے سے بالوں کی خشکی دور کی جاسکتی ہے۔ اس سے بالوں کی حفاظت ممکن ہے۔

۲۔ ریٹھا اور سیکا کائی:

ریٹھا اور سیکا کائی کے محلول سے بالوں کو دھوئیں، یہ خشکی کا بہترین علاج ہے۔

۳۔ ناریل کا تیل اور میتھی دانہ:

ناریل کے تیل میں میتھی دانہ ڈال کر رکھلیں، اسکے استعمال سے جوؤں کا اور خشکی خاتمہ ممکن ہے۔

۴۔ کیلا اور لیموں کا رس:

ایک کیلا اور آدھا لیموں کا رس اچھی طرح پیسٹ بنا کر نہانے سے آدھا گھنٹہ پہلے لگالیں، اس سے بالوں میں مظبوطی اور قدرتی چمک رونما ہوگی۔

۵۔ بادام کا تیل اور شہد:

بادام کے تیل میں شہد ملا کر لگائیں، اس سے بالوں میں ریشم جیسی نرمی پیدا ہوگی۔

۶۔ انڈا اور دہی:

روکھے بالوں کو تروتازہ بنانے کیلئے ہفتے میں ایک بار انڈے کو اچھی طرح پھینٹ کے سر اور بالوں میں لگائیں۔

۷۔ سرکہ:

سر میں میل جمع ہونے کی صورت میں سرکے کو تیل یا پانی میں ملا کے لگائیں سر صاف ہو جائے گا۔

خیال رہے ان سب تدابیر کے ساتھ اچھی خوراک کا استعمال بے حد لازم ہے .جو انسانی وجود اور بالوں کے لیئے از حد مفید ہے۔

☆☆☆☆☆

عالمی اعزازِ نعت گوئی

اگر آپ اردو یا انگریزی میں شاعری کرتے ہیں تو شامل ہوجائیے پیغمبرِ انسانیتﷺ کے مدح سراؤں کی صفت میں اور پائیے ''عالمی اعزازِ نعت گوئی''

''حسان بن ثابت نعت ریسرچ سنٹر''، منہاج یونیورسٹی لاہور ماہِ ربیع الاول 1444ھ کی مناسبت سے ''عالمی اعزازِ نعت گوئی'' میں اردو اور انگریزی کے شعراء کو دی گئی چار الگ الگ کیٹیگریز میں شرکت کے لیے مدعو کرتا ہے:

1: نجی و سرکاری یونیورسٹیز کے طلبہ و طالبات (اردو شعرا)

طرحی مصرعہ: بے کسوں کی اسی سرکار میں شنوائی ہے۔(حسن رضا خاں)

قوافی: آئی، رسوائی، بینائی، پذیرائی وغیرہ۔

ردیف: ہے

قطعہ بند/ آزاد نظم کا عنوان: اسوۂ حسنہ۔

2: نجی و سرکاری، یونیورسٹیز اور کالجز کے اساتذہ (اردو شعراء)

طرحی مصرعہ: نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

قوافی: کام، جام، دام، بام، وغیرہ،

ردیف: سے ہے

قطعہ بند/ آزاد نظم کا عنوان: منارۂ نور/ مینارِ نور

3: مشق سخن میں اچھا نام رکھنے والے صاحب دیوان (اردو شعراء)

طرحی مصرعہ: میں ہوں بندۂ شاہدِ ارض و سماء، مجھے شاہدِ ارض و سماء کی قسم (غلام محمد ترنم)

قوافی: خدا، وفا، سخا، دعا وغیرہ۔

ردیف: کی قسم

قطعہ بند/ آزاد نظم کا عنوان: استغاثۂ ملی بحضور سرورِ کائناتﷺ

4: کسی بھی عمر اور طبقے سے تعلق رکھنے والے انگریزی شعراء

اہم تاریخیں:

کلام بھجوانے کی آخری تاریخ:	13 اکتوبر 2022ء
نتائج کی تاریخ:	17 اکتوبر 2022ء
مشاعرہ کی متوقع تاریخ:	27 اکتوبر 2022ء

اہم نکات:

☆ صرف اردو اور انگریزی زبان میں لکھا گیا کلام ہی زیرِ غور لایا جائے گا۔

☆ انگریزی کلام کے لیے کوئی گروپ، عنوان یا طرحی مصرعہ نہیں ہے۔ البتہ نعتیہ کلام تازہ تخلیق شدہ ہو اور پہلے سے

کہیں چھپ نہ چکا ہو۔

☆ عالمی اعزازِ نعت گوئی میں شرکت کے لیے مذہب، قومیت، ملک، صنف اور عمر کی کوئی قید نہیں۔

☆ عالمی نعت گوئی میں انٹریز بھجوانے کے لیے رجسٹریشن فیس یا دیگر چارجز نہیں ہیں۔

☆ غزلیہ نعتیہ کلام کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ نو اشعار پر مشتمل ہونا چاہیے۔ جبکہ نظمیہ نعتیہ کلام میں کم از کم چار اور زیادہ سے زیادہ سات بند ہوں۔

☆ شعر و سخن کی دنیا کے نامور افراد پر مشتمل جائزہ کمیٹی چاروں کیٹیگریز سے دس دس شعراء کے کلام کو منتخب کرے گی اور ان منتخب شعراء کو منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعرہ میں مدعو کیا جائے گا۔

☆ ہر کیٹیگری میں میرٹ پر آنے والے پہلے تین تین نعتیہ کلاموں کو بہترین کمپوزیشن کے ساتھ معروف آوازوں میں ریکارڈ کروا کر سوشل میڈیا پر وائرل کیا جائے گا۔

☆ ہر کیٹیگری میں میرٹ پر آنے والے پہلے پہلے پچاس نعتیہ کلاموں کو شاعر کے مختصر تعارف کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔

☆ عالمی اعزازِ نعت گوئی میں شرکت کرنے والے تمام شعراء کو سرٹیفیکیٹس دیئے جائیں گے۔

☆ منتخب شعراء کو اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا۔

☆ نعتیہ کلام کے ساتھ اپنا مختصر تعارف بھجوائیں جو کسی طور بھی چھ سطروں سے زائد نہ ہو۔

☆ اپنا کلام اپنے رابطے کی تمام صورتوں مثلاً پوسٹل ایڈریس، فون نمبر، ای میل وغیرہ (جو بھی دستیاب ہو) کے ہمراہ 13 اکتوبر 2022ء سے پہلے ای میل hnrc@mul.edu.pk پر یا 0092-333-5259264 پر واٹس ایپ کریں۔

☆ مزید تفصیلات کے لیے وزٹ کریں:

https://hnrc.mul.edu.pk

☆☆☆☆☆

نعت رسول مقبول ﷺ

شوقِ کوئے رسولؐ رکھتا ہوں
صحنِ دل میں یہ پھول رکھتا ہوں

آستانِ رسولؐ سے نسبت
زندگی کا اصول رکھتا ہوں

میں ہوں وہ خوش نصیب، دامن میں
دشتِ طیبہ کی دھول رکھتا ہوں

قبر میں اک جواب کافی ہے
حُبِّ آل بتول رکھتا ہوں

ذکرِ سرکارؐ سے دل و جاں پر
رحمتوں کا نزول رکھتا ہوں

معجزہ عشق کی رسائی کا
پیشِ اہل عقول رکھتا ہوں

میں جو ہوں آج ان سے وابستہ
فکرِ فردا فضول رکھتا ہوں

دامنِ قطبؔ ہے بہار افزا
کچھ عقیدت کے پھول رکھتا ہوں

(خواجہ غلام قطب الدین فریدی)

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیر اہتمام ''ایگرز کیمپ 2022ء''

منہاج القرآن ویمن لیگ کے شعبہ وائس کے زیر اہتمام منعقدہ کانفرنس ''بعنوان: تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار''

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
MAR-2022
LAHORE
Regd CPL No.45

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری
موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی 615 سے زائد کتب دستیاب ہیں